WWW.NAFSEISLAM.COM

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعارف سُورۃ المائدہ

اِس سُورۂ پاک کا نام "المائدۃ" ہے اور یہ مدنی ہے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد جو سُورتیں نازل ہُوئیں خواہ وُہ مدینہ طیّبہ میں نازل ہُوئی ہوں یا مدینہ طیّبہ سے باہر حالتِ سفر میں یا حج وعمرہ کے ایّام میں خاص مکّہ مکرّمہ میں سب کو مدنی کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک سو بِیس ١٢٠ آیات اور سولہ رکُوع ہیں۔ اس کے حرُوف کی تعداد ١٢٤٦٤ ہے۔

اس سُورۃ کی فقط ایک آیت الیوم اکملت لکم الخ کے متعلق تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ وُہ حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں ٩۔ ذی الحجہ سنہ ١٠ھ کو نازل ہُوئی۔ باقی آیات کی تاریخ نزُول کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن مختلف روایات میں غور وفکر کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ اِس کا نزُول صُلح حدیبیہ کے وقت سے شرُوع ہوا اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر اِس کا اختتام ہوا۔

یہ چند سال اِسلامی تاریخ میں بڑی اہمیّت رکھتے ہیں۔ مدینہ کے اُفق پر خطرات کے جو سیاہ بادل ہر وقت منڈلایا کرتے تھے وُہ آہستہ آہستہ ناپید ہو رہے تھے۔ کفّار پر یہ حقیقت عیاں ہو چکی تھی کہ اِسلام ایک قوّت ہے اس کو مٹانا اب ان کے بس کی بات نہیں۔ یہُودیوں کا زور بھی اب ٹوٹ چکا تھا۔ مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں ان کی سب بستیاں گڑھیاں اور قلعے مُسلمانوں کے تصرّف میں تھے۔ غرضیکہ مظلومیّت کی طویل اور تاریک رات اب ختم ہو رہی تھی اور آفتاب اِقبال طلوُع ہو رہا تھا۔ اِن بدلے ہُوئے حالات میں یہ سُورۃ نازل ہُوئی۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآنِ حکیم نے مُسلمانوں کو کیا ہدایات فرمائیں۔

١۔ اِس سُورۃ کا آغاز تربیتِ اخلاق سے ہو رہا ہے اِس لیے پہلے اِسی عُنوان پر غور کریں۔ اِس سُورۃ میں مختلف اقسام کے اخلاقی سبق دیئے گئے ہیں جن کا تعلّق جس طرح ایک قوم کی اِنفرادی اور اِجتماعی زندگی سے ہے اسی طرح ان کا تعلق بین الاقوامی معاملات اور تعلّقات سے بھی ہے۔ سب سے پہلے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جو وعدہ کرو اس کو پُورا کرو۔ خواہ یہ وعدہ نجی کاروبار کے متعلق ہو اپنے حلیفوں سے ہو یا حریفوں سے ہو اور خواہ اپنے رب ذوالمجد والعلیٰ سے ہو۔ آج کل کی متمدّن قومیں یہ درست ہے کہ اپنے اِنفرادی وعدوں کی کسی حد تک پابندی کرتی ہیں لیکن سیاسی زندگی میں اپنے وعدوں کی جو مٹی پلید کرتی ہیں وُہ محتاجِ بیان نہیں مُسلمانوں کا رب اُنھیں حُکم دیتا ہے کہ جو وعدہ کرو اسے

پُورا کرو خواہ وُہ وعدہ حدیبیہ کے میدان میں دُشمنانِ اسلام سے ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔
اَب جب قوّت و اقتدار مسلمانوں کے پاس آرہا ہے تو ان کو صاف صاف اور کئی کئی بار حکم دیا کہ جب قضا کی کرسی پر بیٹھو تو یاد رہے عدل و انصاف تمہارا شعار ہو۔ فریقِ مقدمہ تمہارا دُشمن ذاتی نہیں بلکہ دینی دُشمن ہی کیوں نہ ہو عدل کا دامن تمہارے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے۔ نیز فرمایا کہ اقوامِ عالم سے تمہارے تعلقات کی بُنیاد یہ ہو کہ نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں اُنھیں تمہاری معاونت حاصل ہو اور گناہ اور ظلم کے کسی کام میں تم اُن سے اشتراک نہ کرو۔ فرزندانِ آدم کا قصّہ بیان کر کے بتایا کہ حسد بہت بُری چیز ہے اس نے بھائی کو بھائی کا قاتل بنا دیا تم اِس مذموم خصلت سے احتراز کرنا۔

۲۔ **آسمانی کتابیں**:۔ دُوسری اہم چیز جس کا ذکر اس سُورۃ میں کیا گیا ہے وُہ یہ ہے کہ تورات انجیل اور قرآن الگ الگ نظریات کے علمبردار نہیں بلکہ یہ تینوں نہریں ایک ہی سرچشمۂ فیض سے پھُوٹی ہیں۔ تورات کے متعلّق فرمایا کہ فیھا ھدی ونور۔ انجیل کے متعلق بھی بعینہٖ یہی الفاظ فرمائے کہ فیه ھدی ونور اور قرآن کے متعلق تو بار بار یہی فرمایا گیا معلوم ہوا سب میں ہدایت ہے سب میں نوُر ہے۔ اور ہر ایک کتاب میں اپنے زمانہ کے مُطابق شریعت کا مکمّل ترین نظام اور اخلاقیات و معاملات کا واضح ضابطہ موجود تھا۔ اور ان سب کا جامع اور ان تمام بلند اخلاقی قدروں کا نقیب، محافظ اور نگہبان قرآن مجید ہے۔

۳۔ حاملانِ قرآن کو تنبیہ فرما دی کہ دیکھو! ہدایت و نور یہُود کے پاس بھی آیا اور نصاریٰ کے پاس بھی۔ لیکن اُنھوں نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ اے غلامانِ مصطفٰے! اب وُہی ہدایت و نور اپنی پُوری آب و تاب اور شوکت و جلال سے تمہارے مطلعِ حیات پر نمُودار ہو رہا ہے۔ اور تمھیں اِس سے اِستفادہ کا موقع دیا جا رہا ہے کہیں تم بھی اپنے پیش رووں کی طرح اپنی خواہشات اور خود ساختہ مصلحتوں کی قربان گاہ پر اسے بھینٹ نہ چڑھا دینا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی پُوری پُوری تعمیل کرنا۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتا ہے وُہ منکرِ حق ہے۔ وُہ نافرمان ہے وُہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہُود و نصاریٰ خود تو بھٹکے ہُوئے ہیں۔ وُہ تمھیں بھی جادۂ حق سے بہلانے پھُسلانے کی اِنتہائی کوشش کریں گے۔ خبردار! ہوشیار! ان کے دامِ فریب میں نہ پھنس جانا۔ واحذرھم ان یفتنوك عن بعض ما انزل الله الیك۔

معلوم ہوتا ہے اہلِ حق کو حق سے برگشتہ کرنے کی جو کوشش اس وقت شروع ہوئی تھی وُہ بدستور جاری ہے اور پہلے کی نسبت زیادہ تندی اور تیزی سے۔ اور اسی تحریک کے پیدا کردہ وُہ وسوسے ہیں جن کی وجہ سے اسلامی مملکتوں کے سربراہ اِسلامی قانون کو اپنانے سے ہراساں ہیں۔ بات تو صرف اِتنی ہے کہ جس طرح پوری یک جہتی کے ساتھ ایک بار اللہ اکبر کہہ کر ہم نے ان فرنگی آقاؤں کی ظاہری غلامی کے زنجیر توڑے ہیں۔ بس ایک بار اور جی کڑا کر کے اللہ اکبر کہیں اور ذہنی غلامی کا طلسم بھی توڑ کر رکھ دیں۔ قوتِ یقین اور ذوقِ عمل کا ایک معجزہ چند سال ہُوئے ہم نے اپنی آنکھوں سے

دیکھا ہے اور اقوامِ عالم کو دکھایا ہے۔ فقط ایک اور معجزہ نمائی کی ضرورت ہے۔ وادیٔ ایمن سے تو اب بھی یہ آواز دمادم آرہی ہے۔ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى۔ گھبراؤ نہیں تُو ہی سرفراز و کامیاب ہے اور اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ کا حکم مل رہا ہے لیکن ہم ہیں کہ ساحرِ فرنگ کی شعبدہ بازیوں سے دم بخود ہوئے بیٹھے ہیں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ (کیا تم جاہلیت کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟) کی توبیخ سے یہ بتایا کہ اگر تمھاری غفلت کے باعث حق کا چراغ گُل ہو گیا تو پھر "جاہلیت" کا اندھیرا چھا جائے گا۔ اور "جاہلیت" خواہ اس کے چہرہ کو علم و فن کی مشاطگی نے کسی دل آرام کی طرح بہت ہی دلکش و دلفریب بنا دیا ہو۔ اس کی رُوح ظالم ہے اس کی فطرت بے رحم ہے وُہ تمھاری ساری عزیز قدروں اور عقائد کو کُچل دے گی روند ڈالے گی بلکہ خود تم سے روند وا ڈالے گی۔

۴۔ قرآن جو شریعت لے کر آیا اس کی کئی جزئیات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ حج کے آداب۔ شعائر اللہ کی تعظیم، شراب اور جوا کی قطعی ممانعت، وضو و تیمم کے احکام، حلال و حرام اشیاء کا ذکر، پُرامن راستوں پر ڈاکہ زنی کرنے والوں اور چوری کرنے والوں کے لیے عبرتناک سزائیں وغیرہ۔ جن کا تفصیلی تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

۵۔ لات و ہبل کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ ان کے اپنے ماننے والے ان سے بدظن ہو چکے تھے۔ اب صرف اتنی ہی دیر تھی کہ کوئی دھکا دے اور وُہ دھڑام سے منہ کے بل زمین پر گر پڑیں۔ لیکن شرک کی ایک اور قسم دنیا کے ایک وسیع حصّہ کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی یعنی عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث۔ جس کی اشاعت کے لیے شاہی خزانوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ جس کی حفاظت کے لیے بے شمار تلواریں بے نیام تھیں۔ اور جب کبھی کسی فکری بحران نے اسے دُود چراغ محفل بنانا چاہا تو علماء فلسفۂ یُونان و رُوما کا حجاب اکبر تان کر کھڑے ہو جاتے۔ قرآن نے اس عقیدہ کا پہلے بھی محاسبہ کیا ہے۔ اور یہاں بھی بڑی بے تکلفی اور فطری سادگی سے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ عیسیٰؑ خدا نہیں ہو سکتا۔ جو ماں کے شکم سے پیدا ہو۔ جو اپنی بقا کے لیے کھانے پینے کا محتاج ہو وُہ بندہ ہو سکتا ہے مقبول ترین بندہ، محبوب ترین بندہ، لیکن خدا نہیں ہو سکتا۔ اور روزِ قیامت پیش آنے والے واقعات کو بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح کی زبانی توحید خالص کا اعلان کرا دیا۔

٦۔ اس سُورۃ کا طُرّۂ امتیاز وُہ آیت کریمہ ہے جو بتاریخ ۹۔ ذی الحجہ ۱۰ھ میدانِ عرفات میں رحمتِ عالمیاں پیکرِ ہدایت، نُورِ مجسّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نازل ہُوئی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ دین کی تکمیل کا اعلان! اتمامِ نعمت کا مژدہ! اللہ اللہ! بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی ہوں گی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جبینِ نیاز سجدہ میں جھک گئی ہوگی۔ عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کے چہرے فرطِ مسرت سے رشکِ مہ تاباں بن گئے ہوں گے اور حمزہ رضی اللہ عنہ، یاسر رضی اللہ عنہ، سمیہ رضی اللہ عنہا اور خباب رضی اللہ عنہ اپنے اپنے مزاراتِ پُر انوار میں ربّ ذو الجلال کی حمد و ثنا معلوم نہیں کوثر و سلسبیل سے دُھلے ہُوئے کن نورانی کلمات سے کرنے لگے ہوں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ جھوم اُٹھا

ہو گا۔ اللہ ربّ السّموات والارض کی ساری نوُری مخلوُقات اس کے حبیب، اس کے رسُول، اس کے صفی اور اس کے عبدہ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر درُود و سلام کے پھُول نثار کر رہی ہو گی۔
فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین بجاہ سیّدی ومولائی وحبیبی محمد الامین وآلہ الطیبین آمین آمین یارب العالمین۔

سُورَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(سورۃ مائدہ مدنی ہے اس کی) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے (آیتیں ۱۲۰ اور رکوع ۱۶ ہیں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۣ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ

اے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو[1] حلال کیے گئے ہیں تمہارے لیے بے زبان

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ

جانور[2] سوائے ان کے جن کا حکم پڑھ کر سنایا جائے گا تمہیں نہ حلال سمجھو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہو[3]

[1] جس طرح وعدہ کیا گیا ہو اسی کے مطابق اس کو پورا کرنے کو وفا اور ایفاء کہتے ہیں۔ عقود عقد کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی گرہ لگانا ہے۔ اب اس کا اطلاق اس پختہ وعدہ پر ہوتا ہے جو دو شخصوں کے درمیان طے پائے۔ یہاں عقود سے مراد ہر قسم کے معاہدے ہیں خواہ وہ انسان اور اس کے خالق کے درمیان ہوں یا انسان اور انسان کے درمیان ہوں۔ ان کا تعلق دینی احکام سے ہو یا دنیوی معاملات سے۔ سب اس میں درج ہیں۔ اور سب کی پابندی کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے البتہ وہ وعدہ جس کے پورا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اس کا پورا نہ کرنا ضروری ہے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عہد شکنی کو منافقت کی علامت قرار دیا ہے۔ اخلاق کا کتنا بہترین درس ان دو لفظوں میں دیا گیا۔ کاش! ہم سمجھیں اور عمل کریں۔

[2] احکام الٰہی کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ جن کی تعمیل کا وعدہ ہر مسلمان اسلام قبول کرتے وقت اپنے ربّ سے کیا کرتا ہے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ ان جانوروں کے علاوہ جن کا ذکر آگے آ رہا ہے دوسرے مویشی تمہارے لیے حلال ہیں۔ مشرکین عرب نے اپنے باطل عقائد اور فاسد خیالات کی وجہ سے کئی مویشی اپنے اوپر حرام کر رکھے تھے مثلاً بحیرہ وغیرہ۔ نیز کئی مویشی بطور سزا بنی اسرائیل پر حرام کر دیئے گئے تھے مسلمانوں کو حکم دیا کہ یہ جانور تمہارے لیے حلال ہیں۔ بھیمۃ کا معنی علامہ راغب نے کیا ہے مالا نطق لہ یعنی بے زبان۔ ترجمہ میں میں نے یہی معنی اختیار کیا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر چوپائے کو بہیمہ کہا جاتا ہے اسو لکل ذی اربع اس صورت میں اس کی اضافت انعام کی طرف اضافت بیانیہ ہو گی۔ بعض دیگر اہل علم کا خیال ہے کہ بہیمہ سے مراد چرنے والے شکاری جانور ہیں مثلاً ہرن۔ نیل گائے وغیرہ۔

[3] دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ جب تم نے حج وعمرہ کے لیے احرام باندھ لیا ہو تو پھر تمہارے لیے خشکی کا شکار ممنوع ہے

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝١ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ

بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۴؎ اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ

کی ۵؎ اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو

۴؎ بیشتر احکام جو اس وقت نازل ہو رہے تھے وُہ عرب کے دیرینہ رسم و رواج اور اُن کے آبائی عقائد کے بالکل خلاف تھے۔ اس لیے احتمال تھا کہ سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہو جائے کہ ایسا حکم کیوں دیا گیا۔ اسے کیوں حرام اور اُسے کیوں حلال کیا گیا وغیرہ وغیرہ اس لیے یہ فرما کر اُن تمام چہ میگوئیوں کا دروازہ ہی بند کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور وُہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ جب تم نے اس کا بندہ ہونے کا اعتراف کر لیا۔ اس کو علیم وحکیم تسلیم کر لیا اور اس کے احکام کی تعمیل کا وعدہ کر لیا تو اب قیل وقال کیسی یقین محکم سے ہر ارشاد کی پیروی کرتے جاؤ۔

۵؎ امام ابن جریرؒ شعائر کی تحقیق کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ یہ شعیرہ بروزن فعیلہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے وُہ علامت جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے۔ وشعائرہ التی جعلها امارات بین الحق والباطل یعنی جن سے حق و باطل کی شناخت ہو سکے ان کو شعائر اللہ کہتے ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا طرۂ امتیاز مقرر فرمایا ہے ان کی پابندی کرو۔ جن حدوں کو قائم کیا ہے ان سے تجاوز نہ کرو۔ جن چیزوں کے استعمال سے روکا ہے ان کے قریب مت جاؤ۔ ھَدْیٌ اُس قربانی کے جانور کو کہا جاتا ہے جو حرم شریف کی حدود میں ذبح کرنے کے لیے کوئی اپنے ہمراہ لے جائے۔ قلائد یعنی ذوات قلائد: قربانی کے ان جانوروں کو کہا جاتا جو حرم کی حدود میں ذبح کرنے کے لیے کوئی اپنے ہمراہ لیے جا رہا ہو اور اُن کے گلے میں پٹے ڈال دیئے گئے ہوں۔ آمّین: قصد کرنے والے ارادہ کرنے والے۔ لفظی تحقیق کے بعد اب اس آیت کا شانِ نزول ملاحظہ ہو۔ حطمہ بن ہند البکری بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور حضورؐ سے اسلام کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا۔ حضورؐ نے اسلام کی حقیقت اس کے سامنے پیش فرمائی۔ سُن کر کہنے لگا مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ بھی کر لوں۔ اُمید ہے کہ ہم سب آپ کا دین قبول کر لیں گے اس کے حاضرِ خدمت ہونے سے پہلے ہی حضورؐ نے اپنے صحابہ کو بتا دیا تھا کہ آج تمہارے پاس قبیلہ ربیعہ کا ایک ایسا آدمی آ رہا ہے جو شیطان کی زبان سے گفتگو کرے گا۔ اور جب وُہ جانے لگا تو حضورؐ نے فرمایا لقد دخل بوجه کافر وخرج بعقب غادر: جب آیا تھا تو اس کے چہرے پر کفر کی نحوست برس رہی تھی اور اب جا رہا ہے تو اس کی پشت پر غدر کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ راستہ میں ایک جگہ مسلمانوں کے مویشی چر رہے تھے ان کو بھگا کر لے گیا۔ دُوسرے سال قربانی کے لیے وُہی مسلمانوں کے چرائے ہُوئے مویشی لے کر ان کے گلے میں قلادے ڈال کر حج کے ارادہ سے روانہ ہوا۔

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا

قصد کیے ہوئے ہیں بیتِ حرام کا طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ

احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اُکسائے تمھیں ۶ کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انھوں

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَ

نے روکا تھا تمھیں مسجدِ حرام سے اس پر کہ تم زیادتی کرو اور ایک دُوسرے کی مدد کرو ۷ نیکی اور

وقف لازم

مُسلمانوں کو علم ہُوا تو اُنھوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا تو فوراً یہ آیت نازل ہوئی یعنی اگرچہ وُہ کافر ہے اور تمھارا مُجرم بھی ہے۔ لیکن اب نکلا ہے میرے گھر کی نیّت سے۔ قربانی کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال کر، اس سے تعرض نہ کرو (ابن جریر قرطبی) خُدا پرستی کی کیا عمدہ تعلیم ہے۔ کوئی کسی رُوپ میں ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو کر نکلے تو اس پر دست درازی نہ کرو۔ اس کی اب ہر چیز شعائر اللہ ہے۔

۶ جرم کا معنی برانگیختہ کرنا، کسی کام پر اُکسانا ہے۔ شنأن کے معنی بُغض اور دُشمنی کے ہیں۔ قریشِ مکّہ کا دستُور تھا کہ حج وعمرہ کے لیے کسی پر پابندی نہ تھی۔ جانی دُشمن بھی حرم کا مہمان بن کر کیوں نہ آجائے اس کا احترام کیا جاتا اس کی خدمت کی جاتی۔ لیکن جب ۶ھ میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے ارادے سے آئے تو کفارِ مکّہ نے داخل ہونے سے روک دیا اور ان تمام سابقہ روایات کو بالائے طاق رکھ دیا جو زائرینِ کعبہ کے لیے ان کے ہاں مرّوج تھیں مُسلمانوں کو کتنا صدمہ پہنچا ہوگا اور ان کے غصّہ کی کیا کیفیت ہوگی اس کا اندازہ آپ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ مُسلمان جوابی کاروائی کرتے اور ان مُشرک قبائل کو مکّہ آنے سے روک دیتے جن کے راستے مُسلمانوں کے مقبوضہ علاقہ سے گزرتے تھے اس لیے ربّ جلیل نے انھیں حکم دیا کہ کفارِ مکّہ کا اِتنا شدید جرم بھی تمھیں کسی پر زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ تمھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم کسی پر ظلم و تعدّی کرو۔ تمھاری شان سے یہ حرکت بہت فروتر ہے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے جہاں تصنّع نہیں ریا نہیں۔ دیکھیے قرآن اپنے ماننے والوں کی اخلاقی تربیت کن بلند اصولوں پر کر رہا ہے۔ یہاں ہوا کا رُخ دیکھ کر بات نہیں کی جاتی بلکہ ایسی بات کی جاتی ہے جو ہوا کا رُخ موڑ دے۔ عین اُس وقت مُسلمانوں کو دُشمن پر دست درازی سے منع فرمایا جب غصّہ کی چنگاریاں چھُوٹ رہی تھیں اور انتقام کے شُعلے بھڑک رہے تھے

۷ زندگی کا ایک اور زرّیں اصول سکھایا جا رہا ہے کہ تمھارے آپس کے تعلقات کی بُنیاد اور اقوامِ عالم سے تمھارے تعلقات کی اساس یہ ہونی چاہیئے کہ ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں اُنھیں تمھاری اعانت اور تعاون حاصل ہو اور ہر

التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ② حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ

اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے حرام کیے گئے ہیں تم پر ۸ے مُردار ، خون ،

لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ

سُؤر کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھونٹنے سے مرا ہوا چوٹ سے مرا ہوا،

وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ

اُوپر سے نیچے گر کر مرا ہوا، سینگ لگنے سے مرا ہوا اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے سوائے اس کے جسے تم ذبح کر لو اور (حرام ہے)

بُرائی اور گناہ کی تحریک میں تم ان سے الگ رہو۔ قرآن کا ہر حکم دِل نواز، اس کی ہر آیت اِنسانیت پرور اور اس کا ہر فرمان گمراہوں کے لیے روشنی کا مینار ہے لیکن ان کی برکات کا ظہور تو تب ہو جب ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اور اس کو کلام الٰہی ماننے والی قوم ہی جب عملی طور پر اس سے رُوگرداں ہو تو اس کی مُضمر خوبیاں اور فائدے کیوں کر عیاں ہوں۔

۸ے یہاں سے ان جانوروں کا ذِکر ہو رہا ہے جو حرام ہیں۔ (۱) میتہ: مُردار (۲) دم مسفوح: وُہ خون جو ذبح کے وقت بہتا ہے (۳) خنزیر (۴) ما اھل بہ: وُہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیرِ خدا کا نام لیا جائے۔ جیسے مُشرکین کا طریقہ تھا کہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی بجائے باسم اللات والعزیٰ، لات اور عزیٰ کے نام سے ذبح کرتا ہُوں کہا کرتے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ ای رفع الصوت لغیر اللہ بہ لقولھم باسم اللات والعزی عند ذبحہ۔ اس پر تفصیلی حاشیہ سُورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۳ کے نیچے ملاحظہ فرماویں۔ (۵) منخنقۃ۔ وُہ جانور جو گلا گھونٹنے سے مر جاتے۔ (۶) موقوذۃ۔ جسے پتھر یا لاٹھی کی پیہم ضربوں سے مار دیا گیا ہو (۷) متردیۃ۔ جو بلندی سے نیچے گر کر مر جاتے۔ (۸) نطیحۃ۔ جو جانور کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جاتے۔ (۹) جسے کوئی درندہ پھاڑ ڈالے الا ما ذکیتم یعنی سابقہ جانور اگر زندہ ہوں اور انھیں ذبح کر لیا جاتے تو پھر اُن کا کھانا حلال ہے (۱۰) وما ذبح علی النصب امام ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ نصب وُہ پتھر ہیں جن کی زمانۂ جاہلیت میں پُوجا کی جاتی تھی اور ان کے لیے جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ والنصب الحجارۃ کان اھل الجاھلیۃ یعبدونھا ویذبحون لھا (ابن جریر) اور اس سے مُراد ہر ایسی جگہ ہو سکتی ہے جو مشرکانہ رسوم کی ادائیگی کے لیے مخصوص ہو۔

مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ

جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ سب نافرمانی کے کام ہیں ۹

۹۔ مشرکین کی یہ بھی ایک عادت تھی کہ جب کوئی کام کرنے لگتے تو کسی کپڑے وغیرہ میں تین تیر (جو اس مقصد کے لیے پہلے تیار رکھے ہوتے) ڈالتے۔ ایک پر لکھا ہوتا امرنی ربی (میرے رب نے مجھے اس کا حکم دیا ہے) دُوسرے پر لکھا ہوتا منعنی ربی (مجھے میرے رب نے اس سے منع کیا ہے) اور تیسرا خالی ہوتا۔ آنکھیں بند کر کے ہاتھ ڈال کر نکالتے اور جو تیر نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔ اس فعل سے اُنھیں روکا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب کسی چیز کے کرنے، نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہو تو اِن کو عقل خداداد سے کام لینا چاہیئے اور اس کے فوائد و نقصانات کا پوری سنجیدگی سے جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے۔ فہم و دانش کی نعمت جو ہمیں عطا کی گئی ہے اس کی یہ کتنی توہین ہے کہ ہم ایسے موقعوں پر اس سے کام نہ لیں بلکہ اتفاقات پر اپنے اعمال کی بُنیاد رکھیں۔ چنانچہ تستقسموا کا معنی علامہ بیضاوی نے یہی کیا ہے۔ طلب معرفة ماقسم لهم دون مالم يقسم لهم بالازلام۔ اہل عرب کی دُوسری عادت یہ تھی کہ وہ تیروں کے ذریعہ جوا کھیلا کرتے۔ ان تیروں کی تعداد دس ہوا کرتی۔ سات پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوتا اور تین خالی ہوتے۔ اس فعلِ بد کو بھی ممنوع کیا گیا۔ کیونکہ انسان اس طرح بھی دولت کمانے کے ایسے راستے تلاش کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے جن میں نہ ذہنی کاوش کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ جسمانی مشقت کا۔ اس میں ہارنے والے کا مال بغیر اس کی رضامندی کے جیتنے والے کے پاس چلا جاتا ہے اور یہ ناجائز ذرائع سے دُوسروں کا مال ہڑپ کرنے کی ایک واضح صورت ہے جس سے اسلام نے منع فرمایا ہے۔ چشم زدن میں امیر کبیر بن جانے کی ہوس میں لوگوں کو گھروں کی اینٹیں بیچتے دیکھا گیا ہے۔ کئی خوشحال کنبے چند دنوں میں غربت اور افلاس کے گڑھے میں گرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ جو چیز اتنی خرابیوں کا باعث ہو اسلام اُس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ ایک بات اور یہاں غور طلب ہے۔ اس وقت بھی کئی لوگ جوا میں جیتی ہوئی رقم کو اپنے اُوپر خرچ نہ کرتے بلکہ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی اس سے اعانت کیا کرتے۔ لیکن قرآن نے جوا کو ممنوع کرتے وقت اِس صُورت کو مستثنےٰ نہیں کیا بلکہ جوا کی دیگر صُورتوں کی طرح اسے بھی حرام کر دیا۔ آج کل ہمارے ہاں جو یہ رسم قبولِ عام حاصل کر رہی ہے کہ کہیں طوفان یا سیلاب آیا یا کوئی دُوسری مُصیبت ٹوٹی تو مُصیبت زدگان کی امداد کے لیے چندہ فراہم کرنے کے لیے کہیں رقص و سرود کی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور کہیں فلم ایکٹرسوں کے میچ کرائے جاتے ہیں ان کا حکم بھی اس آیت سے واضح ہے۔ بجائے اس کے کہ قوم کے انسانی اور اسلامی جذبات کو بیدار کیا جائے ہم ان کے شہوانی جذبات کو اُکسا کر دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ خود سوچیے ہم قوم کو کس پستی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ دُوسرا اللہ تعالیٰ کے غضب کا مقابلہ اس کی نافرمانی اور اس کی حدُود کو توڑ کر کرنا کیا ایک کلمہ گو کو زیب دیتا ہے؟

اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡہُمۡ وَ

آج مایوس ہو گئے ہیں جنھوں نے کفر اختیار کیا تھا تمھارے دین سے ؎۱۰ سو نہ ڈرو تم اُن سے اور

اخۡشَوۡنِ ؕ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ

ڈرو مجھ سے آج میں نے مکمّل کر دیا ہے تمھارے لیے تمھارا دین ؎۱۱ اور پُوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت ؎۱۲

وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ

اور میں نے پسند کر لیا ہے تمھارے لیے اسلام کو بطور دین ؎۱۳ پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں درآں حالیکہ نہ

؎۱۰ الیوم سے مُراد یا تو ۹ ذی الحجہ کا خاص دن ہے اور یا الیوم زمانہ پر دلالت کرنے کے لیے ہے یعنی اب کفّار کی قوت ٹوٹ چکی ہے انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ وُہ اب تم کو نہیں مٹا سکتے۔ اب اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور اس کے کسی حکم کی تعمیل میں پس و پیش نہ کیا کرو۔

؎۱۱ جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ آیت ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بمقام عرفات بروز جمعہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نازل ہوئی۔ اس میں بتایا گیا کہ جس دین کا داعی بنا کر آپ کو بھیجا گیا تھا آج وُہ ظاہری اور باطنی، صُوری اور معنوی ہر لحاظ سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس دین کے غلبہ اور فتح مندی کا جو وعدہ آپ سے کیا گیا تھا آج آپ نے اپنے غلاموں سمیت مشاہدہ کر لیا کہ وُہ پورا کر دیا گیا۔ نیز وُہ عقائد جن پر تمھاری نجات کا انحصار ہے وُہ مکمّل طور پر تمھیں سکھا دیئے گئے۔ شریعت و قانون کے وُہ بُنیادی قواعد تفصیلاً یا اصُولاً تم کو بتا دیئے گئے جو ہر زمانہ اور تمام حالات میں تمھارے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوں گے۔ تمھیں ایسے اصولوں کی تعلیم بھی دے دی جن کی مدد سے تم ہر نئی مشکل کا حل اور ہر جدید مسئلہ کا جواب معلوم کر سکو گے۔

؎۱۲ یعنی قرآن جیسی کتاب ہدایت محمّد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء جیسا رسُول اور ہادی عطا فرمایا۔ ہدایت کی راہ تم پر روشن کر دی اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ بکہ جہاں کُفر و شرک کی حکومت تھی وہاں آج اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔ جہاں لات و ہُبل کی پُوجا ہوا کرتی تھی وہاں اللہ وحدہٗ لاشریک کے حضور میں پیشانیاں محوِ سجُود ہیں۔

؎۱۳ دینِ اسلام جو تمام سابقہ انبیاء اور رُسل کا دین تھا وُہی دین اپنی کامل صُورت میں تمھارے لیے پسند کر لیا گیا ہے اب اس میں اضافہ اور تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ یہ آیت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خاتم الانبیاء ہونے کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ جب دین مکمل ہو چکا اس کے احکام میں ردّ و بدل کی گنجائش نہ رہی تو پھر کسی دُوسرے نبی کے آنے کی بھی ضرُورت نہ رہی۔

مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ③ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَاۤ

جھکنے والا ہو گناہ کی طرف ۱۴ؔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا

اُحِلَّ لَهُمۡ ؕ قُلۡ اُحِلَّ لَـكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَـوَارِحِ

حلال کیا گیا ہے ان کے لیے ۱۵ؔ آپ فرمائیے حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنھیں ۱۶ؔ

مُكَلِّبِيۡنَ تُعَلِّمُوۡنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَكۡنَ

شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے تم سکھاتے ہو انھیں (وہ طریقہ) جو سکھایا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ نے تو کھاؤ اس میں سے جسے

عَلَيۡكُمۡ وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پکڑ رکھیں تمہارے لیے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر ۱۷ؔ اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ

۱۴ؔ مندرجہ بالا چیزوں کو حرام کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں ہو کہ اسے کھانے کے لیے ان چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس نے اگر اپنی جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت ان میں سے کوئی چیز کھا لی تو اس سے باز پرس نہ ہوگی۔

۱۵ؔ جب حرام چیزوں کا ذکر ہو چکا تو بعض صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ تو ہوئیں حرام چیزیں اب یہ فرمائیے کہ حلال کون کون سی چیزیں ہیں۔ تو جواب دیا گیا کہ سب طیب اور پاکیزہ چیزیں حلال ہیں کیونکہ حلال کا دائرہ بہت وسیع تھا اور ان کو نام بنام ذکر کرنے میں دشواری تھی اس لیے ایک لفظ سے انھیں بیان فرما دیا۔ اب رہا یہ کہ طیبات کس کو کہتے ہیں تو اس کے متعلق علماء نے فرمایا جسے طبع سلیم پسند کرے اور حضورؐ کی حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہو گئی۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر یعنی حضورؐ نے ہر داڑھ والے درندہ اور ہر پنجہ سے پکڑ کر کھانے والے پرندہ کو حرام فرمایا۔

۱۶ؔ عدی بن حاتم اور زید الخیر نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! ہم کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرتے ہیں کیا یہ ہمارے لیے حلال ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ شکاری درندوں اور شکاری پرندوں کا ایک ہی حکم ہے۔

۱۷ؔ آیت سے جو مستفاد ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے کتا یا شکرہ وغیرہ کوئی شکاری جانور شکار پر چھوڑا تو اس کا شکار چند شرطوں سے حلال ہے:۔

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

بہت تیز ہے حساب لینے میں آج حلال کر دی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور کھانا اُن لوگوں کا جنھیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ

دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لیے ١٨ اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لیے اور (حلال ہیں) پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

مومن عورتیں ١٩ اور پاک دامن عورتیں اُن لوگوں کی جنھیں دی گئی کتاب تم سے

١۔ شکاری جانور مسلمان کا ہو اور سکھایا ہوا ہو۔
٢۔ اس نے شکار کو زخم لگا کر مارا ہو۔
٣۔ شکاری جانور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو۔
٤۔ اگر شکاری کے پاس شکار زندہ پہنچا ہو تو اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ۔ تیر سے شکار کرنے کا بھی یہی حکم ہے (خزائن العرفان حضرت صدر الافاضل مُراد آبادی قدس سرہ العزیز)

١٨ یہاں طعام سے مُراد وُہ جانور ہیں جنھیں ذبح کیا جاتا ہے۔ یعنی وُہ جانور جسے کسی یہودی اور نصرانی نے ذبح کیا ہو اُس کا کھانا مُسلمان کے لیے حلال ہے اگر ذبح کے وقت اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو پھر تو سب ائمہ اس کے حلال ہونے پر متفق ہیں لیکن اگر وُہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کا نام لے کر ذبح کریں تو پھر کیا حکم ہے۔ اس کے متعلق بہترین قول وُہ ہے جسے صاحب رُوح المعانی نے حسن رح سے نقل کیا ہے کہ اگر تو خود سُنے کہ اس نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو اُسے نہ کھا اور اگر تُو نے خود نہیں سُنا تو پھر حلال ہے۔ وقال الحسن اذا ذبح الیھودی والنصرانی فذکر اسم غیر اللہ تعالیٰ وانت تسمع فلا تاکل فاذا غاب عنک فکل فقد احل اللہ لک (روح المعانی) وقالت طائفۃ اذا سمعت الکتابی یسمی غیر اسم اللہ عزوجل فلا تاکل وقال بھذا من الصحابۃ علیؓ و عائشۃ وابن عمر وھو قول طاؤس والحسن (قرطبی)

١٩ محصنٰت کا معنی ہے پاک دامن۔ یہاں مُسلمانوں کو ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ اگر تم شادی کرنا چاہو تو حُسن و دولت کی وجہ سے شادی نہ کرو بلکہ عفت و پاکدامنی کے زیور سے جو مزیّن ہو اس کے ساتھ شادی کرو۔ یہی ایک ایسی محکم بُنیاد ہے جس پر گھر کی جو عمارت اُٹھائی جائے گی وُہ زندگی میں پیش آنے والے سارے حادثات اور طوفانوں کا مقابلہ کر سکے گی۔

قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ

پہلے ۲۰ جب دے دو تم انھیں مہر اُن کے پاکباز بنتے ہُوئے نہ بدکاری کرتے ہُوئے

وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہُوئے ۲۱ اور جو اِنکار کرتا ہے ایمان کا ۲۲ تو بس ضائع ہو گیا

عَمَلُهٗ ؗ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۵ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا

ع ۵

اس کا عمل اور وُہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں سے ہو گا اَے ایمان والو!

۲۰ پہلے یہ بتایا کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کی نیک عورتوں سے بھی تم شادی کر سکتے ہو۔ بعض علماء کے نزدیک صرف ان کتابی عورتوں سے شادی کی اجازت ہے جو مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہوں۔ دارالحرب میں رہنے والی کتابی عورتوں سے اجازت نہیں۔ احناف کے نزدیک حرام تو نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے لیکن بعض علماء نے ہر کتابی عورت سے نکاح کی اجازت دی خواہ وُہ مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہو یا دارالحرب کی باشندہ ہو۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جو حلال فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا صرف یہُودی یا نصرانی ہونا اس کی حرمت کا باعث نہیں۔ لیکن اگر اس کی وجہ سے اور خرابیاں رُونما پذیر ہوتی ہوں تو پھر حرمت لغیرہٖ ثابت ہو جائے گی۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے ایسی عورتوں سے شادی کی ان کے گھروں میں وُہی طرزِ معاشرت داخل ہو گئی۔ وُہی بے پردگی، وُہی غیر مردوں سے عام اختلاط، اسلامی عبادات سے بے رغبتی اور اخلاق و آداب سے بے رُخی اور پھر یہی اثر ان کی اولاد میں بھی چلا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ یہُودی و نصرانی عورتوں نے مُسلمانوں کے ایسے ایسے راز اپنی قوم تک پہنچائے جس سے مُسلمانوں کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس لیے اگر ان وجوہات کے باعث ایسی عورتوں سے نکاح کرنے پر پابندی لگا دی جائے تو عین حکمت ہے۔

۲۱ عورت اور مرد کے باہمی تعلق کی صرف ایک صُورت کو ہی اسلام نے جائز رکھا ہے وُہ یہ کہ اس کی بنیاد نکاحِ صحیح پر ہو۔ اس کے علاوہ محض شہوت رانی کے لیے جو تعلّقات قائم کیے جائیں گے خواہ وُہ کھُلم کھُلا ہوں یا چوری چھپے وُہ قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔

۲۲ غیر عورتوں سے شادی کرنے میں یہ خدشہ تھا کہ کہیں اُن کے دامِ محبّت میں پھنس کر مُسلمان اپنا ایمان، اسلامی احکام اور اخلاقی قدروں کو پسِ پُشت نہ ڈال دیں۔ اس کے متعلق سرزنش فرما دی۔

اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى

جب تم اُٹھو ۲۳ نماز ادا کرنے کے لیے تو (پہلے) دھولو ۲۴ اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں

۲۳ اس سے پہلے کھانے پینے اور نکاح وغیرہ کے احکام بتائے جو حدث اصغر (بے وضو ہونا) اور حدث اکبر (جنابت) کا باعث ہوتے ہیں۔ اب یہ حکم دیا جارہا ہے کہ جب تم اپنے طبعی تقاضوں کو پورا کرچکو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آنا چاہو تو اس کے آداب کیا ہیں۔ حدث اصغر کے لیے وضو اور حدث اکبر کے لیے غسل کا حکم دیا۔ یہاں قمتم بمعنی اردتم ہے یعنی جب تم نماز کا ارادہ کرو تو وضو کرو۔ اختصار کے لیے ارادہ جو سبب ہے اس کو ذکر نہیں کیا اور قیام جو مسبّب ہے اس کو ذکر کردیا اور یہ استعمال عام ہے جیسے اذا قرأت القران فاستعذ باللہ۔ اس کا معنی بھی یہی ہے کہ جب تم قرآن کی تلاوت کا ارادہ کرو تو پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھ لیا کرو۔ بظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلفاء راشدین کا عام معمول یہی تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی بار ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا فرمائی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ افضل تو یہی ہے کہ ہر نماز تازہ وضو سے ادا کی جائے لیکن کئی نمازوں کا ایک وضو سے ادا کرنا جائز ہے۔ فتح مکّہ کے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے پانچوں نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آج تو حضور نے ایسا کام کیا ہے جو حضور نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ جواب ملا عمداً فعلته۔ اے عمر رضی اللہ عنہ میں نے یہ کام (یعنی ایک وضو سے پانچ نمازیں) جان بوجھ کر کیا ہے تاکہ اُمّت کو یہ مسئلہ معلوم ہوجائے کہ ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا درست ہے۔

۲۴ وضو کے فرائض چار ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں: (۱) منہ کا دھونا (۲) ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ (۳) سر کا مسح کرنا (۴) اور ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا۔ اس کے علاوہ وضو سے پہلے نیّت کرنا، بسم اللہ پڑھنا، پہلے ہاتھ صاف کرنا، کلّی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا، مسح کے علاوہ ہر کام کو تین تین مرتبہ کرنا دائیں طرف سے شروع ہونا، کان کا مسح کرنا۔ یہ سب اعمال حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے معمول سے ثابت ہیں۔ فقہاء نے ان سے بعض کو سُنّت اور بعض کو مستحب فرمایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضو کی کیفیت اکثر صحابہ کرام سے مروی ہے۔ یہاں وہ تفصیل جو حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیان کی ہے اسی کے لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ابو حیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وضو کرتے دیکھا۔ آپ نے پہلے اپنے ہاتھوں کو خوب پاک صاف کیا۔ پھر تین مرتبہ کلّی کی۔ پھر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین مرتبہ چہرہ مبارک دھویا پھر بازوؤں کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوتے اور اس کے بعد فرمایا احببت ان اریکم کیف کان طهور رسول الله صلى الله عليه وسلم (ترمذی و ابن ماجہ) کہ میں چاہتا تھا کہ تمہیں دکھاؤں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وضو کا کیا طریقہ تھا۔

الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ

تک ۲۵؎ اور مسح کرو اپنے سروں پر ۲۶؎ اور دھو لو اپنے پاؤں ٹخنوں تک ۲۷؎ اور اگر

كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ

ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کر لو ۲۸؎ اور اگر ہو تم بیمار ۲۹؎ یا سفر پر یا

۲۵؎ الی بمعنی مع ہے یعنی ہاتھوں کو کہنیوں کے سمیت دھوؤ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام جب وضو فرماتے تو کہنیوں کو بھی دھوتے عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا توضأ ادار الماء علی مرفقیہ (دارقطنی)

۲۶؎ مسح کہتے ہیں ہاتھ پانی سے تر کر کے پھیرنا۔ تمام سر کا مسح مستحب ہے اور سر کے چوتھے حصہ کے برابر مسح کرنا فرض ہے سُنّتِ نبوی ؐ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۷؎ اس کا عطف ایدیکم پر ہے اور اس کا معنی ہے واغسلوا ارجلکم کہ اپنے پاؤں کو بھی دھوؤ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے صحابہ کو پاؤں اچھی طرح دھونے کا حکم فرمایا کرتے۔ حضورؐ نے ایک قوم کو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں خشک ہیں تو حضورؐ نے بلند آواز سے فرمایا۔ ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء۔ خشک رہ جانے والی ایڑیوں کو آگ جلائے گی۔ وضو عمدہ طریق سے کیا کرو تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔ حاشیہ ۲۴؎ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضورؐ کے وضو کی کیفیت جو بیان کی گئی ہے اُس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضور پاؤں مُبارک دھویا کرتے تھے۔ سیّد شریف رضی نے امیر المومنین سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وضو کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے بھی پاؤں کا دھونا ثابت ہے (نہج البلاغہ) اس کے بعد جھگڑے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ (مزید تحقیق کے لیے رُوح المعانی کا مطالعہ فرمائیں)

کتبِ شیعہ میں پاؤں دھونے کی متعدّد روایات ائمہ سے منقول ہیں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے ایک عقیدتمند ابن یقطین نے وضو کی ترکیب کے متعلق استفسار کیا تو حضرت نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ والذی اٰمرک بہ فی ذلک ان تتمضمض ثلاثاً وتستنشق ثلاثا وتغسل وجھک ثلاثا وتخلل شعر لحیتک وتغسل یدیک الی المرفقین وتمسح رأسک کلّہ وتمسح ظاھر اذنیک وباطنھا وتغسل رجلیک الی الکعبین ثلاثا ولا تخالف ذلک الی غیرہ۔ ترجمہ: اس بارے میں مَیں تمھیں یہ حکم دیتا ہُوں کہ تین مرتبہ کلّی کرو، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ اپنے چہرہ کو دھوؤ، اپنی ڈاڑھی کے بالوں کا خلال کرو، دونوں بازوؤں کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھوؤ، اپنے پُورے سر کا مسح کرو، کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوؤ آخر میں فرمایا اس حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ (کشف الغمہ جلد ۳ صـ۲۴۲ ایران)

۲۸؎ پہلے حدثِ اصغر سے طہارت کا طریقہ بتایا اب حدثِ اکبر سے طہارت کا طریقہ سِکھایا جا رہا ہے یعنی جب انسان جنبی ہو جائے تو اس وقت غسل کرے۔ اس کے متعلق حاشیہ سُورہ النساء میں گزر چکا ہے۔ آیت ۴۳

۲۹؎ اس کے متعلق حواشی بھی سُورہ النساء میں گزر چکے ہیں۔ آیت ۴۳

جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا

آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ

پانی تو تیمّم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کر لو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر

مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ

اس سے نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی ۳۰ بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے

لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۶﴾ وَ

کہ خوب پاک صاف کرے تمھیں اور پوری کر دے اپنی نعمت تم پر ۳۱ تاکہ تم شکر یہ ادا کرتے رہو اور

۳۰؎ فقہ قرآنی کا یہ ایک بنیادی اصول ہے جس پر اسلامی شریعت کا قصر رفیع تعمیر ہوا ہے۔ ان احکام پر ہی نگاہ ڈالیے۔ حدثِ اصغر (وضو کا ٹوٹنا) کے لیے غسل فرض نہیں کیا کیونکہ اس کا وقوع عام ہے اور اس میں دشواری ہے۔ جنابت جو کبھی کبھی لاحق ہوتی ہے اس کے لیے غسل کو فرض فرمایا کیونکہ ظاہری صفائی اور اعصاب کی افسردگی اور طبیعت کی درماندگی کا اس سے بہتر اور آسان کوئی علاج نہیں۔ اس پر بھی پانی نہ ملے یا پانی کے استعمال سے بیماری کے بڑھنے کا خدشہ ہو تو تیمّم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناتوان بندوں کے لیے عایت پر رعایت، آسانی پر آسانی کو ہر حکم میں پیش نظر رکھا ہے۔ فقہاء کرام نے اس آیتِ کریمہ سے جتنے مزید قواعد اور جزئیات کا استنباط فرمایا ہے وہ فقہ اسلامی کے نکتہ دانوں سے مخفی نہیں۔

۳۱؎ احکام اسلامیہ کی اصلی روح تو عبادت ہے یعنی ہم ان کو اس لیے بجالاتے ہیں کہ یہ احکام خداوندی ہیں اور خداوندِ عالم کے ہر حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ لیکن قرآن کریم جا بجا ان کے ظاہری فوائد اور روحانی منافع کو بیان فرما کر اس طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرا دیتا ہے کہ ان احکام میں سراسر تمھاری بہبودی اور بہتری کو مدِّنظر رکھا گیا ہے۔ یہاں بھی اشارہ فرما دیا کہ وضو اور غسل و تیمّم سے مقصود تمھاری پاکیزگی اور طہارت ہے۔ اسلام نے روحانی طہارت کے لیے جسمانی پاکیزگی کو جتنا ضروری قرار دیا ہے وہ ظاہر ہے یہ الگ بات ہے کہ آج ہمارے صوفی اور امام گندگی میں اپنی مثال آپ ہوں۔

اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ

یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اُس نے پختہ لیا تھا تم سے ۳۲

إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ

جب کہا تھا تم نے ہم نے سُن لیا اور مان لیا اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں

الصُّدُورِ ﴿٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ

میں ہے اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے

بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا

انصاف کے ساتھ ۳۳ اور ہرگز نہ اُکسائے تمھیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو

۳۲ ہر مُسلمان جب دینِ اسلام کو قبول کرتا ہے تو وُہ پہلے اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کریم کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ اور اسلام کی سربلندی کے لیے کسی جانی اور مالی قربانی سے دریغ نہ کروں گا۔ اللہ تعالے اپنے مومن بندوں کو یاد کرا رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے تم پر کتنا احسان فرمایا۔ تمھیں ہدایت کا راستہ دکھایا اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ اِس نعمت کو اور کامل اطاعت کے وعدہ کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اور اِس یقین کو پختہ سے پختہ تر کرتے رہو کہ تمھاری کوئی بات تمھارے ہمہ بیں اور ہمہ داں رب سے پوشیدہ نہیں۔

۳۳ بعینہٖ یہی الفاظ سُورہ النساء میں گزر چکے ہیں اور ان کی لغوی تحقیق وہاں ملاحظہ فرمائی جائے (سُورہ النساء آیت ۱۳۵) اس کے دوبارہ نزول کی وجہ یہ ہے کہ مکہ فتح ہونے والا ہے۔ مُسلمانوں کے جان و ایمان کے نہایت ظالم اور بے رحم دُشمن ان کے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اسلام کے عَلَم بردار جوشِ غضب میں ان پر زیادتی کرنے لگیں۔ اِس لیے اُنھیں وقت سے پہلے ہی تنبیہ فرما دی کہ احکامِ الٰہی کی اطاعت میں تساہل نہ برتیں بلکہ قوّامین للہ یعنی اللہ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے مضبُوطی سے کھڑے رہنے والے بن جائیں۔ کفّار مُسلمانوں کے شہیدوں کے ناک کان کاٹ کر مثلہ کر دیا کرتے تھے۔ مُسلمان عورتوں اور بچّوں کے قتل سے بھی نہیں شرماتے تھے۔ مُسلمانوں کو ایسی تمام باتوں سے روک دیا گیا۔

اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ

عدل کیا کرو ۳۴ یہی زیادہ نزدیک ہے تقوٰی سے ۳۵ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبر دار ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝٨ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا

جو کچھ تم کرتے ہو وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٩ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

کہ ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ

وُہی لوگ دوزخی ہیں اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

نعمت جو تم پر ہُوئی ۳۶ جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمھاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا

۳۴ے اب کیونکہ قوّت و اقتدار مسلمانوں کے پاس آرہا تھا اس لیے انھیں نہایت واضح طور پر حکم دیا کہ خبردار! کسی قیمت پر انصاف کا دامن تمھارے ہاتھ سے چھُوٹنے نہ پائے۔ اور حق یہ ہے کہ کوئی قوم حکومت وسلطنت کے تخت کی مُستحق اس وقت تک ہی رہتی ہے جب تک وُہ صفت عدل سے متصف ہو۔ جس قوم نے ظلم پر کمر باندھ لی وُہ آج نہیں تو کل ضرُور اس نعمت سے محرُوم کردی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اسلامی مملکت کے بانیوں کو بھلا کیوں نہ واضح طور پر اور پُرزور طریقہ سے عدل کرنے کی ہدایت فرماتا۔

۳۵ے یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے بچنے کا قریبی راستہ یہ ہے کہ انسان عدل و انصاف کو اپنا شعار بنائے رکھے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب کفّار کے ساتھ عدل کرنے کا یہ تاکیدی حکم ہے تو مسلمانوں کے ساتھ عدل کرنے کی اہمیّت محُتاج بیان نہیں۔

۳۶ے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے صحابہ کے ہمراہ یہوُد بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے اور اُنھیں فرمایا کہ ہمارے ایک آدمی نے دو آدمیوں کو غلط فہمی سے قتل کر دیا ہے اُن کے وارث دِیت کا مطالبہ کرتے ہیں اس لیے تم لوگ حسبِ معاہدہ ان کی دِیت میں اپنا حصّہ دو۔ اُنھوں نے کہا آپ بیٹھیں کچھ کھا پی لیں پھر تعمیلِ حکم کریں گے۔ حضورؐ کو

أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑪ ع ٢

ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے

اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ

بارہ ۳۷ سردار اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز

وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ

اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے

بٹھا کر اُنھوں نے یہ سازش کی کہ دیوار کے اُوپر سے ایک بھاری پتھر لُڑھکا کر آپ کو شہید کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبُوب کو ان کے ناپاک اِرادہ کی اِطلاع دے دی اور حضورؐ فوراً اُٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی سلامتی کا اِحسان قیامت تک آنے والے سب غلامانِ مُصطفےٰ پر ہے۔ اِس لِیے یہ آیت صرف صحابہ کے ساتھ مخصُوص نہیں بلکہ ہر مُسلمان اِس کا مخاطب ہے اور اس نعمتِ عظمےٰ کا عملی اِعتراف مُسلمان کا فرضِ اوّلین ہے۔

۳۷ نقیب اُس شخص کو کہتے ہیں جو کِسی قوم کے صحیح حالات سے پُوری طرح باخبر ہو اور ان کی بہتری اور برتری کا ذِمّہ دار ہو۔ القائم بامورھم الذی ینقب عنھا وعن مصالحھم (قرطبی) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ سے حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام نے ایک ایک آدمی مقرر کیا جو اُن کے احوال پر آگاہ ہو اور ان کو اطاعتِ الٰہی کی ترغیب دیتا رہے۔ لیلۃ العقبہ میں جب مدینہ کے ستّر مردوں اور دو عورتوں نے حضورؐ کے دستِ مُبارک پر اِسلام کی بیعت کی تو حضورؐ نے بھی ان میں سے بارہ آدمی منتخب فرمائے اور انھیں نقیب کا خطاب عطا فرمایا۔ عزرتم تعزیر کا معنی ہے۔ النصرۃ مع التعظیم (مفردات) عزّت و اِحترام کی وجہ سے کِسی کی اِمداد کرنا۔ مخلِص اور جانباز کارکنوں کے لِیے اِس آیت میں تین اِنعامات کا مژدۂ جانفزا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معیّت ان کے شامِل حال ہوتی ہے وُہ اِنسان کِتنا خوش بخت ہے جسے یہ سعادت نصیب ہو اور اس کی کامیابی کِتنی یقینی ہے جس کے ہر کام میں اِمدادِ اِلٰہی شریک ہو۔ دُوسری بشارت یہ دی گئی کہ بشری تقاضوں اور طبعی کمزوریوں کی وجہ سے جو غلطیاں اس سے سرزد ہو جاتی ہیں ان کا اثر اس کے دل سے اور ان کا ذِکر اس کے نامۂ اعمال سے محو کر دیا جاتا ہے۔ اور تیسری یہ کہ اس کی دائمی قرارگاہ

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ

اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دُور کر دوں گا تم سے تمھارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمھیں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

تو یقیناً وُہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ

اپنی رحمت سے انھیں دُور کر دیا اور کر دیا ان کے دِلوں کو سخت ۳۸ وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی

جنت ہوگی جہاں بہار ہے خزاں نہیں۔ جہاں راحت وشادمانی ہے رنج وغم کا گزر نہیں۔ کسی مخلص کی حوصلہ افزائی کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

۳۸ با سببیت کے لیے ہے اور ما لفظاً زائد اور معناً کلام میں قوت وزور پیدا کرنے کے لیے ہے۔ لعنت کا معنی ہے درِ رحمت سے دُور ہٹا دینا واللعن الابعاد والطرد من الرحمة۔ اس حقیقت کو قرآن نے بار بار واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر پھٹکار اور ذِلت ورُسوائی کا عذاب بلاوجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی اپنی کوتاہیاں اور نافرمانیاں اس کا سبب ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن جو سزا ملے گی وُہ تو ملے گی لیکن مسلسل سرتابی اور پیہم نافرمانی کی سزا جو اس دُنیا میں ہی ملتی ہے وہ بھی کچھ کم اہم نہیں۔ اس کی اچھی صلاحیتیں اور عمدہ قابلیتیں بےکار اور معطل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اِس حقیقت کو بار بار منکشف کرنے سے بنی اسرائیل کی تذلیل ہی مطلوب نہیں بلکہ حاملانِ قرآن کو عبرت دلانا بھی مقصود ہے کہ ایسا نہ ہو کہ شامتِ اعمال سے تم بھی اپنی صلاحیتیں ضائع کر بیٹھو۔ تمھارے کان بھی حق سُننے سے بہرے ہو جائیں۔ تمھاری آنکھیں بھی ہدایت کی روشنی دیکھنے سے اندھی ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی مسلسل نافرمانیوں کے باعث درگاہِ رحمت سے دُور ہٹا دیئے جاؤ اور تمھارے دِل بھی ایسے سخت ہو جائیں کہ کوئی پند وموعظت اور کوئی سرزنش سُودمند ثابت نہ ہو بلکہ قرآن جیسی دِل ہلا دینے والی کتاب بھی تمھارے دِلوں میں خوفِ الٰہی کا جذبہ پیدا نہ کر سکے۔ غور کیجئے کہیں خدانخواستہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر اس گرداب میں تو پھنسے ہوئے نہیں ہیں۔

مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

جگہوں سے ۳۹ اور انھوں نے بُھلا دیا بڑا حصہ ۴۰ جس کے ساتھ انھیں نصیحت کی گئی تھی اور ہمیشہ آپ آگاہ ہوتے

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ

رہیں گے ان کی خیانت پر ۴۱ بجز چند آدمیوں کے ان سے ۴۲ تو معاف فرماتے رہیئے ان کو اور درگزر ۴۳ فرمایئے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى

بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو اور ان لوگوں سے جنھوں نے کہا ہم نصرانی ہیں ۴۴

---

۳۹ تحریف دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ الفاظ میں ہی ردّو بدل کر دیا۔ اصل عبارت کچھ تھی اس کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ دُوسری یہ کہ الفاظ میں تو قطع و بُرید نہ کی لیکن اس کا مفہوم غلط بیان کر دیا۔ یہود اپنی آسمانی کتاب میں دونوں طرح کی تحریف سے باز نہیں آتے تھے۔

۴۰ حظًّا کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے یعنی اپنی کتاب کا بہت اہم حصّہ فراموش کر دیا۔ ان کے انبیاء نے حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا جو بار بار انھیں حکم دیا تھا انھوں نے اُسے بھلا دیا۔ حضورؐ کی تعریف و توصیف سے اُن کی کتابوں کے صفحات مزیّن تھے ان کو بھی فراموش کر دیا۔

۴۱ خائنۃ خیانت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور لغت میں اسم فاعل بمعنی مصدر استعمال ہوتا رہتا ہے والخائنۃ الخیانۃ وھذا جائز فی اللغۃ (قرطبی) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صفت ہو۔ اور اس کا موصوف طائفۃ محذوف ہو مقصد یہ ہے کہ خیانت اور غدر ان کی پُرانی عادت ہے۔ آپ کے ساتھ اُنھوں نے دوستی کے جو معاہدے کیے ہُوئے ہیں ان میں بھی وُہ مخلص نہیں اور آپ ان کی غدّاری اور خیانت پر آگاہ ہوتے رہیں گے۔

۴۲ یعنی ان کا بیشتر حصّہ تو خیانت سے باز نہیں آئے گا لیکن ان میں مخلصین کی ایسی جماعت بھی ہے جو سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ

۴۳ یعنی وُہ ستاتے رہیں آپ معاف کرتے رہیں۔ وُہ آپ کے خلاف خطرناک سازشوں کے جال بُنتے رہیں آپ نظر انداز کرتے رہیں۔ وُہ اپنا کام کریں اور اے مجموعہ ہر خُوبی و دلبری آپ اپنا کام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کو مکارمِ اخلاق کی کتنی بے نظیر تعلیم دی ہے۔ اسی لیے تو حضورؐ نے فرمایا ادبنی ربی فاحسن تادیبی یعنی میری تادیب و تربیت میرے ربّ نے فرمائی اور خُوب فرمائی۔

۴۴ جس طرح یہود نے کامل اطاعت کا وعدہ کر کے توڑ دیا اسی طرح جنھوں نے اپنے نبی کی دعوت پر خوشی سے

أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ ۠ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ ان سے بھی۔ سو انھوں نے بھی بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھڑکا دی

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ

ان کے درمیان عداوت اور بغض (کی آگ) روزِ قیامت تک ۴۵ اور آگاہ کر دے گا انھیں

نحن انصار اللہ کہہ کر دینِ الٰہی کی نصرت و تائید کا پُرجوش وعدہ کیا تھا وُہ بھی ثابت قدم نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بجائے تثلیث کے من گھڑت عقیدہ کو اپنا لیا۔ حضرت مسیح نے حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی آمد کی بشارت دی تھی اور آپ پر ایمان لانے کی بار بار دعوت دی تھی اسے بھی یکسر فراموش کر دیا۔ حضرت مسیح دنیا سے رُخصت ہونے سے پہلے اپنے شاگردوں کو تسلّی دیتے ہُوئے فرماتے ہیں "اگر تم مجھ سے محبّت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وُہ تمھیں دُوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے گا" (یوحنا ۱۴: ۱۶)،

اب یہ ابد تک ساتھ رہنے والا مددگار بجُز خاتم النّبیّین کے اَور کون ہے؟ اِسی کی تاکید ایک بار پھر حضرت مسیح کی زبان سے مُلاحظہ ہو:-

"میں تم سے سچ کہتا ہُوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وُہ مددگار (وکیل یا شفیع) تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دُوں گا اور وُہ آکر دُنیا کو گناہ اَور راست بازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھیرائے گا" (یوحنا ۱۶: ۷، ۸)

"لیکن جب وُہ سچّائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچّائی کی راہ دِکھائے گا اِس لیے کہ وُہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وُہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا (یوحنا ۱۶: ۱۳) انجیل کی یہ آیت تو اس آیت کا بالکل ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔

۴۵ اغراء کہتے ہیں کسی چیز کو کسی پر چسپاں کرنا مسلّط کر دینا۔ الاغراء بالشیء الالصاق به من جهة التسليط عليه (قرطبی) یعنی جب اُنھوں نے ہدایت کی سیدھی راہ چھوڑ دی اور نفسانی خواہشات کی بھُول بھلیوں میں پھنس گئے اور گمراہی کا اندھیرا چھا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نِکلا کہ اُن کی یک جہتی اور اِتحاد ختم ہو گیا۔ باہمی محبّت و پیار کی جگہ بغض و عناد نے لے لی اَور وُہ ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ایک دین کے ماننے والے مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ گئے۔ ہر فرقہ دُوسرے فرقہ کو کافر اور مُلحد کہنے لگ گیا اور سیاسی طور پر ان کی رقابتوں نے اِنسانی خون کے دریا بہا دیئے۔ ان کے سیاسی اِختلافات، رقابتوں اور عداوتوں کی شدّت کا اِس سے بڑھ کر اَور کیا ثبوت پیش کیا جائے کہ اِس ترقی یافتہ دَور میں بیس۲۰ سال کی قلیل مدّت میں اُنھوں نے ساری دُنیا کو دو عالمی جنگوں میں جھونک دیا۔ کروڑوں

اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١٤﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اے اہلِ کتاب! بے شک آگیا ہے تمہارے پاس

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

ہمارا رسُول ٤٦ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں جنھیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾

اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ٤٧ ایک کتاب ظاہر کرنے والی

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

دکھاتا ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انھیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں ٤٨ اور نکالتا ہے انھیں

کی تعداد میں لوگ مارے گئے۔ آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہوگئیں۔

٤٦ ے یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی نبوّت اور علم کامل کی دلیل ہے۔ باوجود امّی ہونے کے آپ تورات اور انجیل کے ایسے مسائل اور احکام ظاہر فرما دیتے جنھیں علماءِ یہود و نصاریٰ ہمیشہ سے چھپائے ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا رسُول تمہاری ساری چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر نہیں فرماتا بلکہ صرف اُنھیں امُور کا ذکر کرتا ہے جن کے اظہار میں کوئی دینی فائدہ یا مصلحتِ عامہ ہو ورنہ تمہاری دُوسری خباثتیں جن کے اظہار سے بجز تمھیں رُسوا کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں اُن سے اغماض فرماتا ہے۔

٤٧ ے امام المفسّرین ابن جریر لکھتے ہیں یعنی بالنور محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم الذی انار اللہ بہ الحق واظہر بہ الاسلام ومحق بہ الشرك فھو نور لمن استنار بہ (تفسیر ابن جریر) یعنی نوُر سے مُراد یہاں ذاتِ پاک محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کر دیا۔ اسلام کو ظاہر فرمایا شرک کو نیست و نابُود کیا۔ حضوؐر نور ہیں مگر اس کے لیے جو اس نوُر سے دِل کی آنکھوں کو روشن کرنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ اس نورِ مجسّم کی تابانیوں اور درخشانیوں سے ہمارے آئینۂ دِل کو منوّر فرمائے اور اپنے محبوب کی غلامی اور محبّت کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمائے آمین۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو نُور فرما رہا ہے تو کسی کو کیا اعتراض؟ کتابِ مُبین سے مُراد قرآن مجید ہے۔ یہ کہنا کہ "نور" سے بھی قرآن کریم مُراد ہے درست نہیں کیونکہ واوِ عاطفہ تغایُر پر دلالت کرتی ہے۔

٤٨ ے من اتبع رضوانہ سے اخلاصِ نیّت کی اہمیّت کو واضح فرمایا یعنی نورِ محمّدی اور کتابِ مُبین سے اللہ تعالیٰ

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ

تاریکیوں سے ۴۹ اُجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دِکھاتا ہے انھیں راہ

مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ

راست یقیناً کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح بن

اُنھیں کی دستگیری اور رہنمائی فرماتا ہے جن کے دلوں میں اس کی رضا کی سچی طلب ہو "سبل السّلام" کا معنی اکثر علماء نے "سلامتی کے راستے" ہی بتایا ہے جن پر چلنے سے انسان دُنیا و آخرت میں ناکامی سے بچ جاتا ہے اور لغزش اور بھٹک جانے کا خطرہ نہیں رہتا۔ لیکن صراطِ مستقیم جس کا ذِکر آیت کے آخر میں آرہا ہے وُہ بھی تو سلامتی کا راستہ ہی ہے ایک چیز کو مکرّر ذکر کرنے کا کیا فائدہ۔ اِس لیے مجھے تو سبل السّلام کا وہی معنی زیادہ پسند ہے جو قرطبی نے امام حسن بصری رح سے نقل کیا ہے کہ السلام: اللہ عزوجل اور علّامہ بیضاوی رح نے بھی اس کی طرف اِشارہ کیا ہے او سبل اللہ (بیضاوی) یعنی معرفتِ الٰہی کے وُہ خاص راستے جن پر چلنے سے قربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دُوری کے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ جو اپنے دل سے تمام خواہشات کو باہر نکال پھینکتا ہے اور اخلاصِ نیّت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصُول کے لیے شب و روز تڑپتا رہتا ہے تو آفتابِ محمدی ص کی شعاعیں اس کے لیے ان راہوں کو منوّر و روشن کر دیتی ہیں جن پر چلنے سے اسے قربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دُوری کے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اولیاء کاملین جن کو اس کا ذاتی تجربہ ہے اُن سے پوچھو وُہ تمھیں بتائیں گے کہ مُصطفٰے کی رہنمائی کے بغیر اللہ تک پہنچانے والی راہ کا سراغ نہیں ملتا۔ لفظ السّلام سے مقصُود اگر وُہی ہو جو حسن بصری رح کا خیال ہے تو پھر سبل السلام اگرچہ سالک کی آخری منزل ہے لیکن اسے سب سے پہلے اس لیے ذکر کیا تاکہ سالک کی آرزوؤں کا کعبہ اور اُمیدوں کا قبلہ ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہے اور اس سے کم درجہ پر قناعت نہ اختیار کرے۔

۴۹ تاریکیاں اور اندھیرے کئی قسم کے ہیں۔ شرک و کُفر کا اندھیرا، گناہ و سرکشی کا اندھیرا، نفس پرستی اور بدعت کی تاریکی غفلت اور سُستی کی ظُلمت اس لیے ظلمات جمع کا لفظ ذکر کیا۔ لیکن نُور صرف ایک ہی ہے اس لیے واحد کا لفظ ہی اِستعمال فرمایا۔ صراطِ مستقیم یعنی شریعتِ محمدی ص کی اطاعت کی برکت سے اِنسان مختلف قسم کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آتا ہے۔

مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ

مریم ہی ہے ۵۰ (اے حبیب!) آپ فرمایئے کون قدرت رکھتا ہے ۵۱ اللہ کے حکم میں سے کوئی چیز روک دے (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ

کردے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین میں ہے سب کو (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور اللہ

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۵۲ اور اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ

ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم

۵۰ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث پر مفصل بحث سورہ النساء میں گزر چکی ہے۔ تثلیث کے عنوان پر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی یہ عبارت مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔

"THE CHRISTIAN DOCTRINE OF THE TRINITY CAN BE BEST EXPRESSED IN THE WORDS, THE FATHER IS GOD, THE SON IS GOD AND THE HOLY GHOST IS GOD, AND YET THEY ARE NOT THREE GODS BUT ONE GOD"

ENCY: BRITTANICA 479 VOLUME 22

"مسیحیت کے عقیدۂ تثلیث کو نہایت عمدگی سے اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے: باپ بھی خدا ہے بیٹا بھی خدا ہے اور روح القدس بھی خدا ہے۔ بایں ہمہ وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے۔" یہ معمہ نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

۵۱ یہاں سے حضرت عیسیٰؑ کے الٰہ (خدا) ہونے کے عقیدہ کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے کہ اگر وہ حضرت مسیحؑ، ان کی والدہ بلکہ سب مخلوق کو آنِ واحد میں موت کی نیند سلانا چاہے تو کوئی دم نہ مار سکے۔ حضرت مسیحؑ تو اپنی والدہ کی جان نہ بچا سکے اور جب ان کا مقررہ وقت آئے گا تو وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے موت کے پیغام کو قبول کرلیں گے۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں یملک کا معنی قدرت رکھنا ہے یملک بمعنی یقدر من قولھم ملکت علی فلان امرہ ای اقتدرت علیہ (قرطبی)

۵۲ ماں باپ کے ذریعے، ماں باپ دونوں کے بغیر اور باپ کے بغیر۔ یہ سب اسی کی قدرتِ بے پایاں کی

اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ

اللہ کے بیٹے ہیں ۵۳ اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمائیے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمھیں تمھارے گناہوں پر بلکہ ۵۴ تم

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ

بشر ہو اُس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لیے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ

اَے اہلِ کتاب! بے شک آگیا ہے تمھارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمھارے لیے (احکامِ الٰہی) بعد

اعجاز نمایاں ہیں۔ کوئی چیز اس کے لیے مشکل نہیں۔ کوئی صورت اس کے لیے دشوار نہیں۔

۵۳ے عربی میں بیٹے کے لیے عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ولد اور ابن لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ ولد تو صرف اس لڑکے کو کہتے ہیں جو صلب سے پیدا ہوا ہو اور ابن صلبی بیٹے کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے اور جس چیز کا کسی کے ساتھ خصوصی تعلق ہو اس کو بھی ابن کہہ دیتے ہیں جیسے مسافر کو ابن السبیل اور جنگجو کو ابن الحرب وغیرہ۔ یہود اور عیسائی اس معنی میں اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ اس کی صلبی اولاد ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اس کے مقرب اور لاڈلے ہیں اور ان پر اللہ کی رحمت و شفقت اس طرح ہے جیسے باپ کی بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں ان لفظ الابن کما یطلق علی ابن الصلب فقد یطلق ایضا علی من یتخذ ابنا بمعنی تخصیصه بمزید الشفقة والمحبة فالقوم ادّعوا ان عنایة اللّٰه بهم اشد واکمل من عنایة بکل ماسواهم (کبیر) یہود و نصاریٰ کو جب اسلام کی دعوت دی جاتی تو وہ ازراہِ غرور کہا کرتے ہمیں اس دین کو قبول کرنے اور اس کے نبی پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہم تو اللہ کے چہیتے اور محبوب ہیں۔ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ یہ کہہ کر فرما دیا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم پر عذابِ الٰہی کے بادل کیوں ہر وقت منڈلایا کرتے ہیں۔ کبھی دوستوں اور پیاروں کو بھی یوں ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے جیسے تمھیں کیا جا رہا ہے۔

۵۴ے فرما دیا کہ تم بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہو۔ رحمت اور عذاب کا جو قاعدہ ان کے لیے مقرر ہے وہی تم پر بھی کارفرما ہے۔ جو ایمان و اخلاص سے اپنے آپ کو اس کی مغفرت کا اہل ثابت کرے گا وہ بخشا جائے گا۔ اور جو اپنی

مِنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ٘

اس کے کہ ۵۵ رسُولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تاکہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اب تو آگیا ہے تمھارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے

قَدِيْرٌ ع ⑲ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ ٣٨٧

والا ہے اور جب کہا مُوسیٰ (علیہ السّلام) نے ۵۶ اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان

عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ

جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمھیں حکمران ۵۷ اور عطا فرمایا تمھیں

برتری کے نشہ میں مست رہا اور خاتم الانبیاء کی اطاعت اختیار نہ کی وُہ پکڑا جائے گا۔

۵۵ جب کوئی چیز چلتے چلتے رُک جائے تو کہتے ہیں فتر الشیئ اور اگر کوئی کام پہلے بڑی سرگرمی سے ہو رہا ہو اور پھر وہ بند ہو جائے تو اس کے لیے بھی فتر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ دو نبیوں کے درمیانی زمانہ کو فترۃ کہا جاتا ہے اور یہاں یہی معنی مُراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ظہُور قدسی ۵۷۰ء اور اعلانِ نبوّت ۶۱۰ء میں ہوا۔ گویا حضورؐ کی تشریف آوری اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا درمیانی عرصہ چھ سو سال کے قریب ہوا۔ اہلِ کتاب کو بتایا جا رہا ہے کہ وُہ نبی تشریف فرما ہو گیا جس کا تمھیں انتظار تھا۔ اب اگر اس کی اطاعت نہ کرو اور اس پر ایمان لا کر اپنی نجات کا سامان نہ کرو تو تمھاری مرضی۔ کل تمھارا یہ عذر نہ سُنا جائے گا کہ اے ربّ! ہم کیا کرتے ہمیں تو راہ دکھانے والا کوئی آیا ہی نہیں۔

۵۶ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کو بتا رہے ہیں کہ ان کی یہ ضد اور ہٹ دھرمی اور کج بحثی صرف آپ کے ساتھ مخصوص نہیں یہ اپنے پیغمبر مُوسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ بھی یونہی پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ان کی تاریخ قدیم کا ایک اہم واقعہ بیان فرمایا۔

۵۷ یہاں مَلِک کا لفظ بادشاہ کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ آزاد اور خود مختار کے معنی میں مذکور ہوا ہے مقصد انھیں یہ جتانا ہے کہ پہلے تم فرعون کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہُوئے تھے۔ اب وُہ کاٹ دی گئیں اور تمھیں آزادی اور حرّیت کی نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا۔ مفسّرین کرام ابن جریر، رازی، قرطبی وغیرہم نے اسی معنی کو پسند فرمایا ہے۔ قرطبی کے الفاظ ہیں۔ وجعلکم ملوکا ای تملکون امرکم لا یغلبکم علیہ غالب بعد ان کنتم مملوکین لفرعون مقھورین

مَا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۲۰ يٰقَوۡمِ ادۡخُلُوا الۡاَرۡضَ

جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں ۵۸ اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک

الۡمُقَدَّسَةَ الَّتِىۡ كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ وَلَا تَرۡتَدُّوۡا عَلٰٓى اَدۡبَارِكُمۡ

زمین میں ۵۹ جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے

حضرت زید بن اسلم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ ارشاد بھی روایت فرمایا ہے جس کے پاس رہنے کے لیے گھر اور خدمت کے لیے خادم ہو وہ ملک ہے۔ (ابن جریر)

۵۸ عقیدۂ توحید، نبوّت، حریّت و آزادی، حکومت، یہ ساری نعمتیں ایسی تھیں جو اس زمانہ میں بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم کو نصیب نہیں تھیں۔

۵۹ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے ہجرت کی اور سمندر کو بخیریت عبور کر لیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ تو آپ وادیٔ سینا میں فروکش ہو گئے۔ ایک سال وہیں قیام فرمایا اسی اثنا میں آپ کو تورات عطا ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے اپنی قوم کو اپنے آبائی وطن شام کی طرف جانے کے لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بارہ نقیب روانہ کیے جو چالیس روز تک وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے۔ جب واپس آئے تو موسیٰ علیہ السّلام نے اُنھیں فرمایا کہ قوم کے سامنے برملا ایسی کوئی بات نہ کہنا جس سے اُن کے حوصلے پست ہوں لیکن بارہ میں سے دس نے تو وہاں کے لوگوں کی قوّت وجبروت، ان کے قدو قامت، ان کے قلعوں کی مضبوطی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بنی اسرائیل چلّا اُٹھے۔ اور انتہائی بے باکی سے اپنے پیغمبر کو کہہ دیا کہ ہم ایسی جابر قوم سے ٹکّر لے کر اپنے بچّوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ آپ اور آپ کا خدا پہلے ان سے جا کر لڑیں۔ ان سے ملک کو پاک کریں تو پھر ہم اپنے آبائی وطن کا رُخ کریں گے۔ اُنھوں نے کہا ہم شام کی زرخیز زمینوں، ٹھنڈے پانی کے اُبلتے ہوئے چشموں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور وہاں کی عزّت کی زندگی سے باز آئے۔ ہم تو واپس مصر جاتے ہیں۔ وہاں اگرچہ غلامی کی ذِلّت ہے لیکن موت کا تو اندیشہ نہیں دُوسرے دو نقیبوں حضرت یوشع بن نون اور کالب نے بہت سمجھایا کہ نامرد نہ بنو، ذرا ہمّت کر کے دُشمن پر حملہ تو کرو پھر دیکھو نصرتِ الٰہی کس طرح تمھارے دُشمنوں کو کچل کر رکھ دیتی ہے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ ان کی اس بُزدلی اور پیغمبر کی نافرمانی کی وجہ سے اس ملک کا داخلہ ان پر بند کر دیا گیا۔ چالیس برس تک مختلف بیابانوں اور صحراؤں کی خاک چھانتے پھرے جب اس مدّت میں غلامی کی گود میں پلے ہوئے اسرائیلی لقمۂ اجل بن گئے اور آزادی کی فضا میں پیدا ہونے والے بچّے پروان چڑھے تو انھوں نے شام پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا۔ اس سے ہمیں بھی یہ حقیقت بتا دی گئی کہ آزادی کی نعمت

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖ

ورنہ تم لوٹو گے نقصان اُٹھاتے ہوئے ۔ کہنے لگے اے موسیٰ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے

وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا

اور ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وُہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وُہ نکل جائیں اس سے

فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے (اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ نے

عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم

غٰلِبُوْنَ ۬ۚ وَ عَلَی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا

غالب آجاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایمان دار کہنے لگے

یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ

اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وُہ وہاں ہیں پس جاؤ تم

وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ

اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے موسیٰ نے عرض کی اے میرے ربّ! میں مالک نہیں ہوں

اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جُدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان

اُسی قوم کو عطا فرمائی جاتی ہے جو اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي

اللہ نے فرمایا تو یہ سرزمین حرام کردی گئی ہے ان پر چالیس سال تک سرگرداں پھریں گے زمین

الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ع ٤/٧/٨

میں سو نہ غمگین ہوں آپ اس نافرمان قوم (کے انجام) پر اور آپ پڑھ کر سنائیے انھیں ٦٠

نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وقف لازم

خبر دو فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک جب دونوں نے قربانی دی ٦١ تو قبول کی گئی ایک سے

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۗ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۗ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ

اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمھیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے کہا (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے)

٦٠ ے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی واضح دلیلیں اور روشن معجزات دیکھ کر بھی یہود ہدایت قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتے جس سے حضورؐ کو رنج ہوتا۔ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السّلام کے دو بیٹوں کا قصّہ سنا کر اپنے حبیبؐ کو بتاتے ہیں کہ جیسے قابیل نے محض حسد کی بنا پر اپنے بے گناہ اور پاکباز بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ یہ بھی اسی حسد کے شکار ہیں۔ انھیں رنج یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے کسی کو کیوں نبی بنا کر بھیجا گیا صرف اس لیے یہ لوگ آپ کی اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ قابیل اپنے بھائی ہابیل سے کیوں حسد کرتا تھا۔ اس کے جواب میں مفسّرین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن کوئی یقینی چیز نہیں جسے پیش کرتے وقت دل میں خلش محسوس نہ ہو۔ اس لیے اس سے قطع نظر کر کے صرف وہی کچھ عرض کرنا عبرت پذیری کے لیے کافی ہے جو قرآن حکیم نے بتایا ہے۔ بالحق کے لفظ نے یہ واضح کر دیا کہ یہ قصّہ محض تفریح طبع اور دل بہلانے کے لیے نہیں سنایا جا رہا ہے بلکہ سچ مچ بے کم و کاست سنایا جا رہا ہے۔ تاکہ حق واضح ہو اور نصیحت حاصل ہو۔

٦١ ے قربان سے مراد کوئی جانور نہیں جو ذبح کیا گیا ہو بلکہ محض نذر خداوندی مراد ہے۔ خواہ وہ جنس کی شکل میں ہو یا کسی جانور کی قربانی کی صورت میں۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کے دونوں بیٹوں (قابیل اور ہابیل) نے بارگاہ رب العزّت میں نذرانۂ عبودیّت پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک (ہابیل) کی قربانی کو شرف قبول بخشا اور دوسرے (قابیل) کا نذرانہ نامنظور فرمایا۔ قابیل حسد کے مارے تڑپ اٹھا اور اس میں اپنی تحقیر اور تذلیل سمجھی کہ اس کی قربانی منظور ہو گئی اور میری مسترد کر دی گئی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ ہابیل! میں اس ذلّت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اب تیری جان لیے بغیر

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت اور صحرائے سینا میں صحرا نوردی

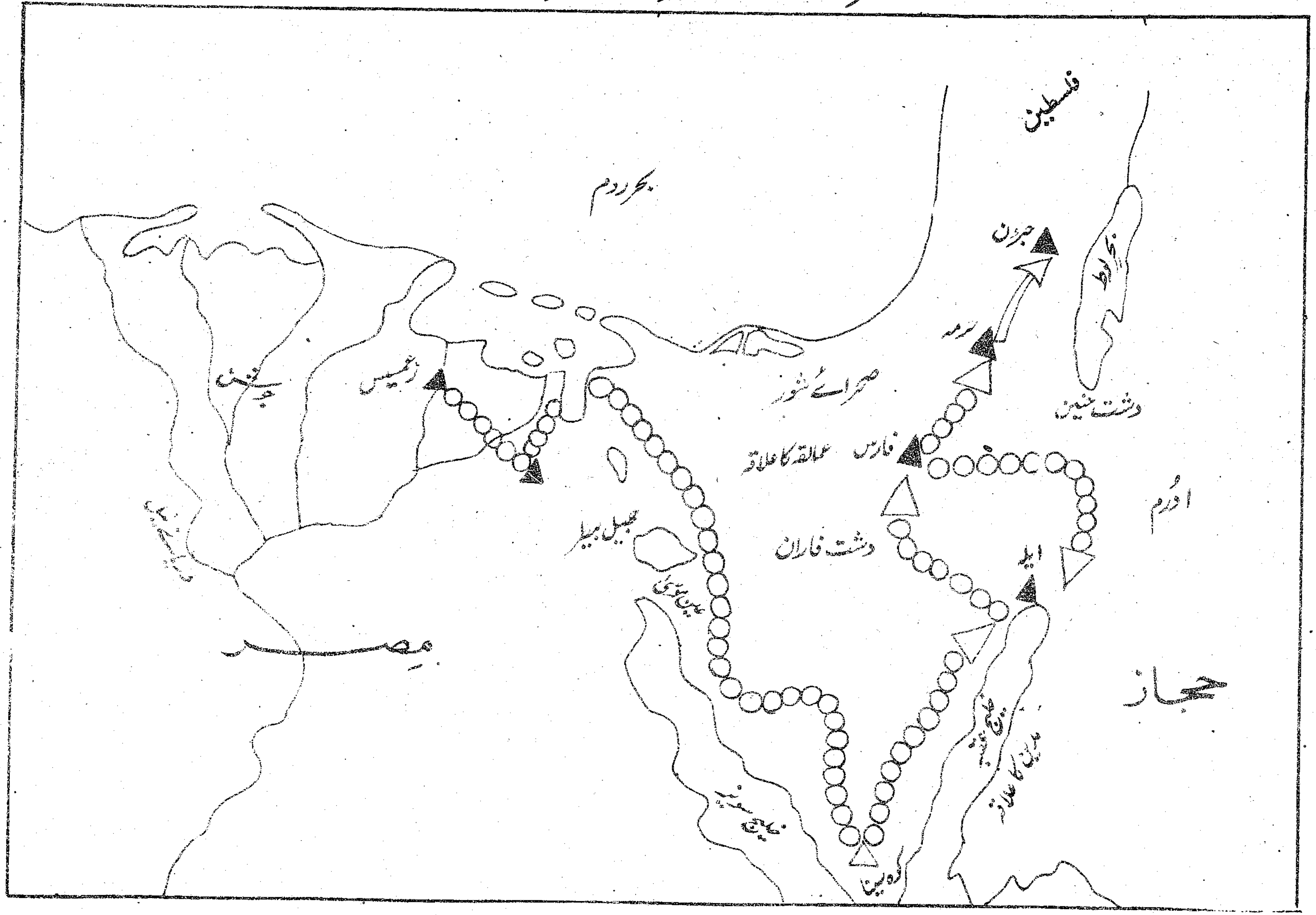

نصف

اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ

قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے ٦٢ تو اگر تو بڑھائے ٦٣ میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی)

اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

سارے جہانوں کا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھالے میرا گناہ ٦٤ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے

مجھے تسکین نہیں ہوسکتی۔

٦٢ ہابیل نے قابیل کی دھمکی کا جواب دیا کہ بھائی اس میں میری کیا خطا ہے۔ اللہ کے ہاں تو اسی کا نذرانہ قبول کیا جاتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو۔ گویا ہابیل نے اُسے بتادیا کہ اگر تم اپنی سابقہ زندگی میں اپنے رب کے نافرمان اور سرکش بنے رہے ہو جس کے باعث تمہیں یہ دن دیکھنا پڑا تو اب گزشتہ کرتوتوں پر اشکِ ندامت بہاؤ اور سچے دل سے توبہ کرلو اور آئندہ تقویٰ کی راہ پر گامزن رہو۔ رحمتِ خداوندی تمہاری قربانی بھی قبول کرلے گی۔ لیکن انسان کی یہ دیرینہ عادت ہے کہ وہ ایک غلطی پر دوسری شدید غلطی سے پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ ایک گناہ کو چھپانے کے لیے اس سے بھی سنگین گناہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ قابیل کے لیے آسان اور سلامتی کا راستہ تو وہی تھا جس کی طرف اس کے بھائی نے اس کی رہنمائی کی تھی لیکن وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔

٦٣ ہابیل نے جب دیکھا کہ قابیل میرے قتل کا عزم کرچکا ہے اور کسی طرح باز نہیں آتا تو اس نے کہا قابیل! اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی کروگے تو بھی میں تمہیں قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قابیل جب قتل کرنے آیا ہابیل مظلوم اور بے بس بھیڑ کی طرح سر جھکا کر کھڑے ہوگئے اور اپنی حفاظت کے لیے کچھ نہ کیا۔ نہیں بلکہ ہابیل کا یہ مقصد ہے کہ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ تم میرے قتل کرنے پر تلے ہوئے ہو پھر بھی میں پہل نہیں کروں گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہی معنی مروی ہے۔ قال ابن عباس ان المعنی فی الآیۃ لئن بسطت الی یدك علی سبیل الظلم والابتداء لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك علی وجه الظلم والابتداء (روح المعانی) شریعت میں اپنے بچاؤ کے لیے حملہ آور کا مقابلہ کرنا واجب ہے۔ والاصح وجوب ذلك لما فیه من النهی عن المنکر۔ (قرطبی) یعنی صحیح بات یہ ہے کہ اپنا بچاؤ اور دفاع فرض ہے کیونکہ نہی عن المنکر کے حکم کی تعمیل کی یہی صورت ہے۔

٦٤ باثمی کا معنی ہے باثم قتلی یعنی جو گناہ تو نے پہلے کیے ہیں ان کا بار تو تیرے سر پر ہے ہی اب میرے خونِ ناحق

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ

دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی پس آسان بنا دیا اس کے لیے ٦۵ ؎

قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ

اُس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اُسے اور ہو گیا سخت نقصان اُٹھانے والوں سے پھر بھیجا اللہ نے

غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ

ایک کوّا کھودتا تھا زمین کو تاکہ دکھائے اُسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ

کہنے لگا ہائے افسوس! ٦٦ ؎ کیا قاصر رہا ہیں کہ ہوتا اس کوّے کی مانند تو چھپا دیتا

کا گناہ بھی تیرے سر پر لاد دیا جائے گا۔ اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ظالم اور مظلوم جب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ مظلوم کی دادرسی کے لیے ظالم کی نیکیاں مظلوم کو عطا فرمائیں گے اور اگر اس سے بھی دادرسی میں کسر رہ جائے گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر لاد دیے جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ باثمی سے اس بات کی طرف اشارہ ہو۔

٦۵ ؎ طوّع کا معنی ہے آسان بنا دینا (قرطبی)۔ سگے بھائی کا قتل کوئی آسان بات نہ تھی۔ جب قابیل کو اس کا پہلے خیال آیا ہوگا تو بھائی کی محبّت، اس کی نیکی اور پاکیزگی، باپ کی ناراضگی اور اللہ کا غضب یہ سب چیزیں راستہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہوگئی ہوں گی۔ نہ معلوم قتل کرنے کی خواہش میں اور ان عوامل میں کتنی دیر کشمکش جاری رہی ہوگی۔ لیکن آخر حسد کا جذبہ غالب آگیا اور اس نے بھائی کے قتل کو عین مصلحت بنا کر پیش کیا۔ اور قابیل اس کو خوشی سے کرنے پر آمادہ ہوگیا پہلے جس کے تصوّر سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہوں گے۔ ہر مجرم جرم کرنے سے پہلے ایسی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے۔ اگر نیکی کی قوت غالب آگئی تو جرم کرنے سے باز آگیا اور گناہ سے بچ گیا۔ اور اگر خدانخواستہ شر کو غلبہ حاصل ہوگیا تو پھر حضرتِ انسان بایں جُبّہ و دستار بہمہ علم و فراست چاروں شانے چت زمین پر آگرتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اس موقع پر شیطان زوردار قہقہہ لگا کر نعرہ بلند کرتا ہو مسجودِ ملائک زندہ باد!

٦٦ ؎ اصل میں یا ویلتی ہے لیکن ندا کے وقت یا کو الف سے بدل دیا اور اس کے ماقبل کو فتح دے دیا۔ ویل کا معنی ہلاکت ہے۔ جب انسان ہلاک ہونے لگے تو اس وقت کہا جاتا ہے یا ویلتی ہائے میں برباد ہوگیا۔

سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ

لاش اپنے بھائی کی ٦٧ غرض وُہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے اسی وجہ سے ٦٨

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ

(حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو ٦٩ سوائے قصاص کے

اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا

اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچا لیا

فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ؗ

کسی جان کو تو گویا بچایا اس نے تمام لوگوں کو اور بے شک آئے ٧٠ ان کے پاس ہمارے رسُول روشن دلیلوں کے ساتھ

٦٧ سوأۃ: شرمگاہ چھپانے کی چیز یعنی لاش۔ کہتے ہیں کہ ہابیل پہلا شخص ہے جس نے موت کا جام پیا۔ اس لیے قابیل حیران ہو گیا کہ میں اب اس کی لاش کو کدھر کروں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کے ذریعے اس کو دفن کرنے کا طریقہ سکھایا۔

٦٨ یعنی جب قابیل نے اپنے بے گناہ بھائی کو جان سے مار کر قتل کا بند دروازہ کھول دیا اور ایک خطرناک رسم کی ابتداء کر دی اور اب دُوسرے لوگ بھی قتل کرنے لگے اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا تو بنی اسرائیل پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں اس کی صراحۃً ممانعت کر دی گئی۔

٦٩ یہ تو ظاہر ہے کہ ایک شخص کے قتل سے زیادہ آدمیوں کا قتل زیادہ سنگین ہے اور اس کا گناہ بہت زیادہ ہے تو پھر اس کا مطلب کیا کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ علامہ بیضاوی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ جس نے ایک بے گناہ کو مار ڈالا اُس نے خونِ انسانی کی بے حُرمتی اور توہین کی نیز اس نے قتل کی رسم کا ازسرِنو آغاز کیا اور دُوسرے لوگوں کو بھی اس جرم کے ارتکاب کی جرأت دلائی۔ من حيث انه هتك حرمة الدماء وسن القتل وجرأ الناس عليه (بیضاوی)

٧٠ تورات میں انھیں قتلِ ناحق سے باز رکھنے کے لیے احکامِ قطعیہ نازل ہوئے۔ ان کو یہ احکام یاد دلانے کے لیے ایسے رسُولوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا جن کے معجزات دیکھ کر ان کی صداقت کا انھیں اعتراف کرنا پڑا۔ لیکن ان کی مسخ شدہ فطرت اور بگڑے ہُوئے مزاج کی اصلاح نہ ہوئی۔ یہ برابر آمادۂ قتل و فساد رہے۔ جن پیغمبروں پر وُہ ایمان لا چکے تھے ان کو بھی تختۂ دار پر لٹکانے اور ان کے سر پر آرہ چلانے سے باز نہ آتے۔ تو اُن سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے کہ وُہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا

پھر بھی بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں بلا شبہ

جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ

سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں لے اللہ سے اور اس کے رسُول سے اور کوشش کرتے ہیں ٢ے زمین میں

فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انھیں (چُن چُن کر) قتل کیا جائے یا سُولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا

مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں ٣ے یہ تو ان کے لیے رُسوائی ہے دُنیا میں

کی اذیّت رسانی اور آپ کے خلاف ناپاک سازشیں کرنے سے باز آئیں گے۔

لے مملکتِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں امن قائم کرنے، راستوں کو محفوظ بنانے اور فِتنہ و فساد کی جڑ کاٹنے کا حکم اللہ تعالےٰ اور اس کے رسُولِ معظّم نے دیا ہے۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کر کے قتل و غارت اور لُوٹ مار کا بازار گرم کرتا ہے وُہ گویا اللہ اور اس کے رسُول کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کر رہا ہے اس لیے قرآن کریم نے مملکتِ اسلامیہ کے کسی باشندے پر خواہ وُہ مُسلمان ہو یا ذمّی دست درازی کرنے کو اللہ اور اس کے رسُول کے خلاف جنگ کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

٢ے واو تفسیر یہ ہے۔ پہلے جملہ میں جس محاربہ کا ذِکر ہوا اس کی وضاحت فرما دی۔

٣ے محاربین جن کی سزائیں یہاں بیان کی گئی ہیں وُہ کون ہیں؟ ان کے متعلق فقہاء کرام نے کہا ہے کہ جن میں یہ تین شرطیں پائی جائیں وُہ محارب ہیں۔ (١) وُہ بندُوق، تلوار، نیزہ وغیرہ ہتھیاروں سے مسلّح ہوں۔ (٢) آبادی سے باہر راستہ یا صحرا میں وُہ رہزنی اور ڈاکہ کا ارتکاب کریں لیکن امام شافعی، اوزاعی اور لیث رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر میں ڈاکہ ڈالنے والے بھی محارب کہلائیں گے اور انھیں سزاؤں کے مستحق ہوں گے (٣) وُہ چھُپ کر نہیں بلکہ برملا حملہ آور ہو کر لُوٹ مار کریں۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآن نے چار سزائیں مقرر کی ہیں۔ (١) انھیں قتل کر دیا جائے باب تفعیل یقتیل تشدید اور مبالغہ کے لیے ہے یعنی مقتول کے وارث اگر معاف بھی کر دیں تو بھی انھیں قتل کیا جائے گا کیونکہ مدعی حکومت ہے جو عوام کی نمائندہ ہے۔ یہ مقتول کے وارثوں کا نجی معاملہ نہیں رہا (٢) انھیں سُولی دے دیا جائے۔ (٣) اُن کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ (۴) یا اُنھیں قید کر دیا جائے۔ بعض عُلماء کا یہ خیال ہے کہ ان فقروں کے درمیان او (یا) کا کلمہ تخییر

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ

اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے ۷۴ مگر وہ جنھوں نے توبہ کر لی ۷۵ اس سے پہلے

أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

کہ تم قابو پا لو ان پر (ان کو معاف کر دیا جائے گا) اور خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے اے ایمان والو!

کے لیے ہے یعنی امامِ وقت کو اختیار ہے کہ ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب سمجھے دے۔ وھو قول سعید ابن المسیب وعمر بن عبد العزیز ومالك والنخعی کلھم قال الامام مخیر فی الحکم علی المحاربین وھو مروی عن ابن عباس (قرطبی) لیکن جمہور علماء کا یہ خیال ہے کہ سزا جرم کے مطابق ہوگی۔ جتنا جرم سنگین ہوگا اتنی ہی سزا سخت ہوگی چنانچہ احناف نے اس کی تفصیل یُوں بیان کی ہے کہ اگر انھوں نے قتل کیا تو انھیں قتل کیا جائے گا اور مقتول کے وارثوں کے بخش دینے سے بھی معاف نہ ہوگا۔ اور اگر قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو پھر انھیں سُولی دے دیا جائے گا اور لوگوں کی عبرت پذیری کے لیے شارعِ عام پر سُولی دے دی جائے اور ان کی لاشیں لٹکی رہیں اور اگر انھوں نے قتل نہ کیا صرف مال لُوٹا تو اُن کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر انھوں نے نہ قتل کیا نہ مال لُوٹا صرف لوگوں کو دہشت زدہ اور ہراساں کیا تو پھر اُنھیں قید کیا جائے گا۔ (رُوح المعانی)

۷۴ کون نہیں جانتا کہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ وہاں امن و امان ہو۔ راستے محفوظ ہوں۔ تجارتی قافلوں اور سامان کے لُٹ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ لوگ طلبِ معاش اور اپنی دُوسری ضرُوریات کے لیے بے دھڑک جہاں چاہیں جا سکیں اور جو فسادی عنصر مُلک کے امن کو برباد کر رہا ہو۔ عام شاہراہوں پر بسوں اور موٹروں کو لوٹنا، ریل گاڑی کی پٹڑی کو اکھیڑ دینا، بجلی یا ٹیلیگراف کی تاروں کو کاٹ دینا، راہ چلتے نہتّے مسافروں کو مار ڈالنا اپنا مشغلہ بنا لے وُہ کسی رحم اور نرم دِلی کا مستحق نہیں اس کو جتنی عبرت ناک سزا دی جائے اتنا ہی مفید ہے۔ ایسے ہی فتنہ پرداز لوگوں کے لیے یہ سزائیں قرآن نے مقرر کی ہیں۔ اگر کوئی چین بجبیں ہوتا ہے تو اس کی مرضی۔ لیکن کسی سے آفرین لینے کے لیے اسلام ایسے افراد کو اپنی سوسائٹی میں برداشت نہیں کر سکتا اور ان کو ان کے ظلم و تشدّد کی سزا دینے کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔ ممکن ہے سفّاکوں اور رہزنوں کے ساتھ نرمی کرنا ہی کسی کے نزدیک رحم ہو لیکن اسلام کے نزدیک ظالم کے ہاتھ سے ظلم کی تلوار چھین لینا اور اس کے ظالم ہاتھ کو کاٹ پھینکنا رحمت ہے۔ نظریات کے اتنے بیّن تفاوت کی موجُودگی میں عمل اور طریقِ کار میں تفاوت حیرت انگیز چیز نہیں۔

۷۵ اگر وُہ گروہ گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو جائے اور اپنے آپ کو حکومت کے حوالہ کر دے پھر حقُوق اللہ معاف ہو جائیں گے لیکن اگر اُنھوں نے کسی کا مال لُوٹا ہے تو وُہ واپس کرنا ہوگا۔ اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اُس کا قصاص یا دِیت

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ ۷۶ اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں ۷۷ تاکہ تم

ادا کرنی ہوگی۔ کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

۷۶ ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الوسیلة فی الاصل ما یتوصل به الی الشیٔ و یتقرب به الیه (لسان العرب) یعنی جس چیز کے ذریعہ کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو اُسے وسیلہ کہتے ہیں۔ والوسیلة کل ما یتقرب به (کشاف)۔ ایمان، نیک اعمال، عبادات، پیروی سنّت اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور مرشدِ کامل جو اپنی رُوحانی توجّہ سے اپنے مُرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے۔ دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ کاملینِ اُمّت نے ایسے مُرشد کی تلاش میں سینکڑوں، ہزاروں کوس کی مُسافت کو پاپیادہ طے کیا ہے۔ اور ان کی رہنمائی اور دستگیری سے آسمانِ معرفت وحکمت پر مہر وماہ بن کر چمکے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مُراد بیعتِ مُرشد ہے (قول جمیل) اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی کو بھی لکھنا پڑا "اہل سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک مے فہمند ووسیلہ مرشد رامے دانند پس تلاش مُرشد بنابر فلاحِ حقیقی و فوزِ تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری ست و سُنّت اللہ برہمیں منوال جاریست لہٰذا بدُون مرشد راہ یابی نادراست" (صراطِ مستقیم) یعنی سالکانِ راہِ حقیقت نے وسیلہ سے مُراد مُرشد لیا ہے پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ وریاضت سے پہلے تلاشِ مُرشد ازبس ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکانِ راہِ حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لیے مُرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ ونادر ہے۔

مولوی ہرگز نشد مولائے رُوم ۔ تا غلامِ شمس تبریزی نشد (رُومیؒ)

دمِ عارف نسیمِ صُبحدم ہے ۔ اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیبؑ آئے میسّر ۔ شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (اقبالؒ)

۷۷ اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کے لیے تقویٰ اختیار کرنے، وسیلہ تلاش کرنے کے علاوہ ہر دم مصروفِ جہاد رہنا بھی ضروری ہے جہادِ اصغر بھی اور جہادِ اکبر بھی۔ کفّار سے بھی اور نفسِ امّارہ سے بھی۔ اور ان تمام نظریات اور افکار سے بھی جو کسی حیثیّت سے اسلامی عقائد اور مسلّمات سے ٹکراتے ہیں۔ تب جا کر فلاح وکامرانی نصیب ہوگی ۔

چو می گویم مُسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را (اقبالؒ)

تُفْلِحُوْنَ ﴿٣٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا

فلاح پاؤ بے شک وُہ جنھوں نے ٧٨ کفر اختیار کیا اگر انھی کی ملکیت میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ

اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روزِ قیامت نہ قبول کیا جائے گا

مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ

اُن سے اور ان کے لیے عذاب دردناک ہوگا بہت چاہیں گے کہ نکلیں اس آگ سے

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ

اور وُہ نہیں نکل سکیں گے اس سے اور ان کے لیے عذاب ہوگا ہمیشہ رہنے والا اور چوری کرنے والے ٧٩

٧٨ یعنی کفّار کا یہ خیال غلط ہے کہ ہم وہاں بھی روپیہ وغیرہ سے کام چلالیں گے۔ وہاں تو نجات کا ذریعہ ایمان ہے دُنیا بھر کی دولت بھی اگر وُہ دے کر جان چھوڑانا چاہیں گے تو ان کے منہ پر مار دی جائے گی۔

٧٩ اس سے پہلے ہتھیار بند ڈاکوؤں اور رہزنوں کی سزائیں بتائی گئیں۔ اب چوروں کی سزا بیان کی جارہی ہے۔ پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اہلِ عرب کے نزدیک جن کی زبان اور محاورات کے مطابق قرآن حکیم نازل ہُوا۔ سارق (چور) کس کو کہتے ہیں۔ السارق عند العرب هو من جاء مستترا الی حرزٍ فاخذ منه ما لیس له (قرطبی) یعنی اہلِ عرب سارق اس کو کہتے ہیں جو پوشیدہ طور پر کسی محفوظ جگہ میں آئے اور وہاں سے ایسا مال لے جائے جو اس کا اپنا نہیں۔ اس وضاحت کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ فقہاءِ اسلام نے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے وُہ ان کا اپنا اضافہ نہیں بلکہ لفظ سارق کے لغوی مفہوم سے ماخوذ ہیں۔ مختصراً ان شرائط کا ذکر کرتا ہُوں قطع ید کے لیے جن کا پایا جانا چور، چوری شدہ مال اور چوری ہونے کی جگہ میں ضروری ہے۔ چور کے متعلق تو یہ شرطیں ہیں:۔

(۱) بالغ ہو نابالغ نہ ہو۔ (۲) عاقل ہو پاگل اور دیوانہ نہ ہو۔ (۳) مالِ مسروقہ کا مالک نہ ہو سارے کا نہ اُس کے کسی حصّہ کا۔ مالِ مسروقہ کے لیے یہ ضرُوری ہے کہ اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم سے کم نہ ہو۔ اور جہاں سے چوری کی گئی ہے وُہ محفوظ جگہ ہو گھر ہو، دُکان ہو کوئی اور مکان ہو۔ یا اس مال کی حفاظت کے لیے کوئی پہرے دار مقرر ہو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی تفصیلات ہیں جن کے لیے کتب فقہ کی طرف رجُوع کرنا چاہیئے۔

وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ

اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لیے جو انھوں نے کیا ۸۰ (اور) عبرتناک سزا

اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۳۸ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ

اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے ۸۱ پھر جس نے توبہ کرلی اپنے (اس) ظلم کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا

۸۰ ۔ چور کی یہ سزا مقرر کرنے کی دو وجہیں بتائیں۔ ایک تو یہ کہ جزاء بما کسبا یہ اس کے اپنے کیے کی سزا ہے اب وُہ اسے بھگتے۔ دُوسری وجہ نکالا من اللہ نکال اس سزا کو کہتے ہیں جو دُوسروں کے لیے عبرت کا باعث ہو اور یہ دونوں مقصد اسی طرح پُورے ہو سکتے ہیں جیسے قرآن نے حکم دیا۔ آج کئی لوگ ان سزاؤں کو بہت شدید اور سخت خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس غیر مہذّب اور غیر متمدّن سوسائٹی کے لیے تھیں جن میں قرآن نازل ہُوا۔ اس زمانہ کے بعض مترجمین اور حاشیہ نویسوں نے اس پر بڑا زورِ قلم صرف کیا ہے کہ یہ سزا صرف عادی مجرموں کے لیے ہے جنھیں قید و بند کی سختیاں بھی درُست نہ کرسکیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جس پاکیزہ معاشرہ کا سنگِ بُنیاد رکھا ہے جس طرح قوم کے تمام افراد کے حقُوق و فرائض کا توازن قائم کیا ہے۔ رعایا کے ہر فرد کی جان۔ مال اور آبرُو کی حفاظت کی ذِمّہ داری حکومتِ اسلامیہ پر عائد کی ہے ان تمام اُمور کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ سزائیں سخت اور شدید سہی لیکن عین حکمت ہیں۔ آپ خود انصاف کیجئے کہ آپ کی شفقت کا زیادہ مستحق کون ہے۔ وُہ بیوہ، وُہ یتیم، وُہ پُرامن شہری جس کی عمُر بھر کا اندوختہ راتوں رات لُوٹ لیا گیا یا ہٹا کٹا چور۔ جب سے مظلُوم سے زیادہ ظالم، لٹنے والے سے زیادہ لُوٹنے والا شفقت و عنایت کا مستحق سمجھا جانے لگا ہے اس وقت سے جُرموں اور مجرموں میں ہوش رُبا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہم اپنے ہاں ہی دیکھیں۔ پولیس ہے مجسٹریٹ ہیں جیل خانے کھچا کھچ بھرے ہُوئے ہیں لیکن جرائم میں زیادتی ہی ہو رہی ہے۔ جس علاج سے بیماری گھٹنے کے بجائے بڑھتی چلی جا رہی ہو وُہ علاج ناکام ہے۔ اگر ہم مریض کو واصل بحق کرنے کا ہی عزمِ مصمّم کر چکے ہیں تو یہ اَور بات ہے۔ ورنہ مریض اور اس کے سارے کُنبہ کی خیر خواہی کا تقاضا تو یہی ہے کہ دُوسرا علاج کیا جائے۔ بنی امیّہ کے ایک خلیفہ ہشام کو بھی تہذیب و شائستگی کا دورہ پڑا تھا اور اس نے بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا منسُوخ کر دی تھی۔ لیکن جب چوری کی وارداتیں آئے دن بڑھنے لگیں اور کوئی دُوسرا حیلہ کارگر نہ ہوسکا تو دو سال کے عرصہ کے بعد پھر اسے قرآنی سزا نافذ کرنا پڑی۔ اس نے تو پھر اپنی غلطی کو بھانپ لیا اور دو سال کے بعد ہی اس کا ازالہ کر دیا لیکن ہم تو حالات کی انتہائی نزاکت کے باوجُود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ اگر ملک بھر میں دس بیس چلو پچاس ہی چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں اور آپ کا ملک چوری کی لعنت سے نجات حاصل کر لے اور آپ کی نئی پود میں یہ مجرمانہ خیالات سر ہی نہ اُٹھائیں تو میرے ناقص خیال میں تہذیب و شائستگی کا یہ مظاہرہ اس مظاہرہ سے بدرجہا بہتر ہوگا کہ ہمارے ملک میں کسی کا مال محفوظ نہ ہو۔ ہماری جیلوں میں سوسائٹی کے ان کرم فرماؤں (چوروں) کے لیے

فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

تو بے شک اللہ تعالیٰ توجہ فرمائے گا ۸۲ؔ اس پر بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ بلا شبہ

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ

اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور بخش دیتا ہے

لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اے رسول ۸۳ؔ

لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا

نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنھوں نے کہا

اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ

ہم ایمان لائے (صرف) اپنے مُنہ سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں

قورمہ اور پلاؤ پک رہا ہو۔

۸۱ؔ یعنی جس خُدا نے چور کی یہ سزا تجویز کی ہے وُہ عزیز بھی ہے یعنی سب پر غالب ہے اور حکیم بھی ہے یعنی اس کا ہر حکم سینکڑوں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ ان دو صفات کے ذکر کرنے سے معترضین کے تمام شکوک کا جواب بھی آ گیا۔

۸۲ؔ امام شافعیؒ اور چند اور علماء کا خیال ہے کہ اگر چور بھی گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو جائے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی لیکن جمہور علماء اور احناف کا یہی مذہب ہے کہ چوری کے بعد حد تو ضرور لگے گی لیکن اگر اس نے توبہ کی تو قیامت کا عذاب معاف کر دیا جائے گا۔ اور توبہ کی صُورت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس چوری کا مال موجود ہو تو اس کے مالک کو واپس کر دے نہیں تو اس کی قیمت ادا کرے اور اگر یہ دونوں نہیں کر سکتا تو پھر مالک سے معاف کرالے۔

۸۳ؔ یہود کی خباثتوں سے حضور کریمؐ کا دل آزردہ ہوتا تھا حضورؐ ان کو قدم قدم پر اسلام کی حقانیت کے ثبوت مہیا فرماتے لیکن وُہ برابر کفر سے چمٹے رہنے پر مُصر رہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ افسردہ نہ ہوں۔ یہ نہ آپ کو کوئی گزند پہنچا سکتے ہیں اور نہ اسلام کی ترقی کو روکنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کر رہے ہیں ان کے دِل اسی پُرانے کفر میں مُبتلا ہیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ یُحَرِّفُوْنَ

جاسوسی ۸۴؎ کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے وُہ جاسُوس ہیں دُوسری ۸۵؎ قوم کے جو نہیں آتی آپ کے پاس بدل دیتے ہیں

الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے کہتے ہیں اگر تمھیں دیا جائے یہ حکم تو مان لو اُسے

وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَ مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ

اور اگر نہ دیا جائے تمھیں یہ حکم تو بچو ۸۶؎ اور جس کو ارادہ فرمائے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت

۸۴؎ سمع کے دو معنی ہیں (۱) سُننا (۲) قبول کرنا۔ سمّاع مبالغہ کا صیغہ ہے۔ علّامہ زمخشری اور بیضاوی نے دُوسرا معنی پسند کیا ہے قابلون لما یفتریہ الاحبار ومنہ سمع اللہ لمن حمدہ (کشاف) یعنی اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے انھیں اپنے پادریوں کی جھوٹی باتیں بڑی پسند ہیں اُنھیں وُہ فوراً قبول کر لیتے ہیں۔

۸۵؎ یہاں بھی سماع کے دونوں معنے مُراد ہو سکتے ہیں یعنی وُہ آپ کی مجلس میں محض جاسُوسی کے لیے آتے ہیں کہ کوئی راز کی بات سنیں اور اُسے اپنی قوم کے سرداروں کو جا کر بتائیں۔ دُوسرا یہ کہ آپ کی سچّی باتوں کو تو قبول نہیں کرتے لیکن فریب کار احبار و علماء کی جھُوٹی باتوں کو دِل میں جما لیتے ہیں۔

۸۶؎ یہاں ایک خاص واقعہ کی طرف اِشارہ فرمایا جا رہا ہے جس کو تفسیر کشاف سے نقل کرتا ہُوں۔ خیبر کے ایک شادی شُدہ یہُودی مرد اور عورت نے زنا کیا۔ دونوں اعلیٰ خاندان کے افراد تھے اِس لیے علماءِ یہُود نے ان کو رجم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اُنھوں نے ان دونوں کو ایک وفد کے ہمراہ بنی قریظہ کے پاس مدینہ طیّبہ روانہ کیا تاکہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے مسئلہ دریافت کریں نیز انھوں نے یہ ہدایت کی کہ اگر دُرّے لگانے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو اِنکار کر دینا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے رجم کا ہی حکم فرمایا۔ اُنھوں نے اِنکار کر دیا۔ حضرت جبریلؑ کے کہنے پر حضورؐ نے انھیں فرمایا کہ کیا تم نوجوان ابن صوریا کو پہچانتے ہو؟ کہنے لگے جی ہاں رُوئے زمین پر یہُود میں اس کا ہم پلّہ کوئی عالم نہیں۔ چنانچہ اسے حکم مقرر کیا گیا۔ جب وُہ آیا تو حضورؐ نے فرمایا تمھیں اس خدا کا واسطہ دے کر پُوچھتا ہُوں جس نے مُوسیٰ علیہ السّلام کے لیے دریا کو شق کیا اور تمھیں نجات دی اور فرعون کو غرق کیا اور جس نے تم پر تورات نازل فرمائی تم یہ بتاؤ کہ شادی شدہ زانی کے لیے تورات میں رجم کا حکم ہے یا نہیں؟ وُہ اِنکار نہ کر سکا اور صاف کہہ دیا کہ بے شک ایسا ہی ہے۔ یہُود اس پر اُچھل پڑے لیکن اس نے کہا کہ اگر میں اس نبی برحق کے سامنے جھُوٹ بولتا تو مجھے عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ مسجد کے دروازہ کے سامنے انھیں رجم کیا گیا۔ (کشاف)

تَمۡلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا ؕ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يُّطَهِّرَ

رکھتا تو اس کے لیے اللہ سے کسی چیز کی یہ وُہی لوگ ہیں ٨٧ کہ نہیں ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پاک کرے

قُلُوۡبَهُمۡ ؕ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ ۖۚ وَّلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ

ان کے دِلوں کو ان کے لیے دُنیا میں ذِلّت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب

عَظِيۡمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوۡنَ لِلۡكَذِبِ اَ كّٰلُوۡنَ لِلسُّحۡتِ ؕ فَاِنۡ جَآءُوۡكَ

ہے قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو بڑے حرام خور ہیں ٨٨ تو اگر وُہ آئیں آپ کے پاس

فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ تُعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ فَلَنۡ

تو چاہیے فیصلہ فرمایئے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے اُن سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ مُنہ پھیر لیں اُن سے تو نہ

٨٧ اس کی وجہ ان کی اپنی عاقبت نااندیشی تھی۔ جس قوم کی ہدایت کے لیے ایسا مکرّم رسُول مبعُوث کیا جائے، قرآن جیسی روشن اور مدلّل کتاب نازل کی جائے۔ ہر لمحہ ان کو اِسلام کی حقّانیّت کے معجزات کا مشاہدہ کرایا جائے اور ان کی اِصلاح کی اِنتہائی کوشش کی جائے لیکن وُہ قوم پھر بھی پستی سے نکل کر بلندی کی طرف، گمرُاہی سے ہدایت کی طرف، باطل سے حق کی طرف آنے سے اِنکار کرتی رہے تو اس قوم کا بجز اس کے کیا علاج ہے کہ اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وُہ باطل عقائد کی غلاظت اور غلط اعمال کی عفُونت سے آلُودہ رہے اور اسی حالت میں دم توڑ دے۔ اللہ تعالےٰ جس طرح کسی کو بُرائی پر مجبُور نہیں کرتا اسی طرح وُہ کِسی سے جبراً نیکی بھی نہیں کراتا۔ یہ اس کی حِکمت کے خلاف ہے۔ اور اِنسان کو جو شرف تمام کائنات پر عطا فرمایا گیا ہے اُس کے بھی منافی ہے۔

٨٨ "سُحت" کا لغوی معنی ہلاکت و بربادی ہے۔ مال حرام کو اس لیے سُحت کہا جاتا ہے کہ وُہ نیکیوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے مسلمانوں کو بھی حرام کھانے سے بارہا منع کیا گیا۔ چنانچہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کل لحم نبت بالسحت فالنار اولی بہ قالوا یارسول اللہ وما السحت ؟ قال الرشوۃ فی الحکم: جو گوشت سُحت سے پیدا ہو اُسے آگ ہی جلائے گی۔ عرض کی گئی اَے اللہ کے رسُول! سُحت کِسے کہتے ہیں؟ فرمایا فیصلہ کرتے وقت رشوت لینا۔ اِمام اَبُوحنیفہؒ فرماتے ہیں اذا ارتشی الحاکم انعزل فی الوقت وان لم یعزل کہ حاکم رشوت لیتے ہی معزُول ہو جاتا ہے خواہ اسے بظاہر معزُول نہ بھی کیا جائے۔ رشوت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کا حق ضائع کرنے کے لیے اور ناحق کوئی چیز خود لینے کے لیے کسی حاکم کو دیا جائے۔ فاما ان ترشی لتدفع عن دینك ودمك ومالك فليس بحرام۔ لیکن اپنے

يَضُرُّوكَ شَيْـًٔا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ

نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی ٨٩ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے ان میں انصاف سے ٩٠ بے شک

اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ

اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس

التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا

تورات ہے اس میں اللہ کا حکم ہے ٩١ پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی اور نہیں ہیں

دین، جان اور مال کی حفاظت کے لیے دی جائے تو حرام نہیں۔ یہاں لینے والا گنہگار ہوگا)

٨٩ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ پہلے حضورؐ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہیں تو اہل کتاب کے تنازعات کا فیصلہ فرما دیں اور چاہیں تو انکار کر دیں۔ لیکن بعد میں جب یہ آیت نازل ہوئی "ان احکم بینھم بما انزل الخ تو یہ اختیار نہ رہا۔ اور ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا حضورؐ پر لازمی ہو گیا۔ لیکن دوسرے علماء نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر جھگڑا مسلم اور ذمی (یعنی مسلمانوں کی غیر مسلم رعایا) کے درمیان ہو تو مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا۔ اور اگر ذمیوں کا آپس میں تنازع ہو تو پھر دیکھیں گے کہ امور متنازعہ کا تعلق ان کی شخصی اور مذہبی زندگی سے ہے مثلاً نکاح، طلاق، زنا وغیرہ تو ہم ان کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ہماری شریعت کے مطابق فیصلہ کرائیں۔ وہ ان معاملات میں اپنے علماء کی طرف رجوع کریں۔ واما الحکم فیما یختص بہ دینھم من الطلاق والزنی وغیرھا فلیس یلزمھم ان یتدینوا بدیننا وفی الحکم بینھم اضرار بحکامھم وتغییر ملتھم (قرطبی) لیکن ایسے امور جن کا تعلق ملک کے داخلی امن وامان یا خارجی سلامتی کے ساتھ ہے تو ایسے معاملات میں مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا کیونکہ اگر معاملات میں تساہل اور غفلت روا رکھی جائے تو فتنہ وفساد کے پھیلنے کا اندیشہ ہے (قرطبی)

٩٠ یعنی جب فیصلہ کیا جائے تو عدل وانصاف کو پیش نظر رکھا جائے کسی کا یہودی یا منافق اور دشمن دین ہونا اس پر ظلم کرنے اور اس کا حق ضائع کرنے کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔

٩١ اظہار تعجب کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ آپ کے پاس دوڑ کر کیوں آتے ہیں۔ اگر آپ سے فرمان خداوندی کے مطابق ہی فیصلہ کرانا مقصود ہے تو پھر یہاں آنے کی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں ان کے پاس تورات ہے۔ اس میں احکام الٰہی موجود ہیں۔ اس کے مطابق فیصلہ کر لیا کریں۔

أُولَـٰٓئِكَ بِٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ

وُہ ایمان دار ۹۲ بے شک اُتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے ۹۳

يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّـٰنِيُّونَ

حکم دیتے رہے اس کے مُطابق انبیاء ۹۴ جو (ہمارے) فرماں بردار تھے یہُودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے

وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَـٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ

اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھیرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وُہ تھے اس پر گواہ

۹۲ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے وُہ قرآن کو نہیں مانتے ایسے ہی تورات پر بھی ان کا ایمان نہیں۔ صرف اپنی قوم کو دھوکہ دینے کے لیے وُہ تورات کا سہارا لیے ہُوتے ہیں۔

۹۳ اس رکوع میں دو چیزوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ تورات، انجیل اور قرآن مختلف اور متضاد اور ایک دُوسرے کی تردید اور تکذیب کرنے والی کتابیں نہیں اور نہ یہ کہ جب تک دو کا انکار نہ کیا جائے تیسری پر ایمان درُست نہیں ہو سکتا بلکہ یہ سب ایک سرچشمۂ فیض کی نہریں ہیں۔ ہر ایک میں نوُر ہے جو گمراہی کے اندھیروں کے لیے پیغامِ موت ہے۔ ہر ایک میں ہدایت ہے جو طالبانِ مولا کی دستگیری کر کے شاہدِ مقصوُد تک پہنچا دینے والی ہے۔ دُوسری چیز یہ کہ یہوُد نے تورات اور نصاریٰ نے انجیل سے فائدہ نہ اُٹھایا اور احکامِ الٰہی کی جگہ اپنی ہوا وہوس کے پرستار بن کر رہ گئے۔ اے حاملانِ قرآن! وُہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کریں گے کہ تمھیں بھی اپنی کتاب سے دُور کر دیں۔ خبردار! کہیں تم بھی ان کے دامِ فریب میں پھنس کر اس سُنہری موقع کو ضائع نہ کر دینا۔

۹۴ یہوُد کو تورات جس میں نوُر وہدایت تھی عطا کی گئی تھی۔ مدّت دراز تک ان کے انبیاء، ان کے اولیاء اور ان کے عُلماء اس کے مُطابق فیصلے کرتے رہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری جو ان پر عائد کی گئی تھی اس کو ادا کرتے رہے لیکن بعد میں جب یہ ہدایت و نوُر کا صحیفہ دُنیا پرست علماء اور نفس پرور زاہدوں کے قبضہ میں آگیا تو اُنھوں نے نہ اس پر عمل کیا اور نہ اُس کی حفاظت کی۔ استحفظوا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی حفاظت کی ذمّہ داری اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اولیاء اور عُلماء کے سپرد کی تھی۔ جب تک وُہ اس ذمہ داری کو بجا لاتے رہے تورات ہر تحریف اور ردّ وبدل سے محفوظ رہی۔ جب عبادت گزاروں اور علم والوں میں اخلاص اور للّٰہیّت نہ رہی بلکہ جاہ طلبی اور دُنیا طلبی کا غلبہ ہو گیا تو یہ ہدایت و نوُر کا صحیفہ رہبان و احبار کی جاہ طلبی اور دُنیا پرستی کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اُنھوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے اس میں ردّ وبدل کر دیا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا

پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی

قَلِیْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ

قیمت سے ۹۵ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مُطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وُہی لوگ

الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَکَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ

کافر ہیں ۹۶ اور ہم نے لکھ دیا تھا یہُود کے لیے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان

۹۵ اس میں مُسلمانوں کو بھی تنبیہ ہو رہی ہے کہ علمارِ یہُود کی طرح بادشاہوں اور امیروں سے ڈر کر تم بھی قرآن کے معانی میں ہیر پھیر نہ شروع کر دینا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا جس نے اگر پکڑ لیا تو کوئی چھوڑا نہ سکے گا۔ اگر اس کی نگاہِ لُطف و کرم سے محرُوم کر دیئے گئے تو دُنیا تنگ ہو جائے گی اور کہیں گوشۂ عافیت نہ ملے گا۔

۹۶ یہاں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مُطابق فیصلہ نہیں کرتے وُہ کافر ہیں۔ اسی رکوع کی آیت نمبر ۴۵ میں ایسے لوگوں کو ظالم کہا گیا اور آیت نمبر ۴۷ میں ایسے لوگوں کو فاسق کہا گیا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ آیات صرف یہُودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ کسی خاص شخص کے متعلق کسی آیت کے نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وُہ آیت بس اسی سے مخصوص ہو کر رہ گئی۔ اس کا حکم اب کسی دُوسرے شخص پر نافذ نہیں ہوگا۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ اسے یہُود کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے بلکہ اس کا مفہوم عام رکھا جائے۔ چنانچہ عُلماءِ اہلِ سنّت نے من لم یحکم بما انزل اللہ مستھینا بہ منکرا لہ یعنی جو شخص اللہ کے حکم کی توہین اور تحقیر کرتے ہُوئے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وُہ کافر ہوگا۔ کیونکہ احکامِ شرعیہ کی توہین اور تحقیر کی صرف وہی جرأت کر سکتا ہے جس کا دِل ایمان ویقین کے نور سے خالی ہو۔ علّامہ بیضاوی رحؒ نے ایسے شخص کو کافر، ظالم اور فاسق کہنے کی بڑی لطیف وجہ بیان کی ہے فرماتے ہیں فکفرھم لانکارہ وظلمھم بالحکم بخلافہ وفسقھم بالخروج عنہ یعنی اس وجہ سے کہ انھوں نے احکامِ الٰہیہ کو تسلیم کرنے سے اِنکار کر دیا وُہ کافر ٹھیرے۔ اور اِس وجہ سے کہ انھوں نے اس قانون کو چھوڑ دیا جو عین عدل و اِنصاف تھا وُہ ظلم کے مرتکب ہُوئے اور اِس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑا وُہ فاسق کہلائے۔ اس کے بعد بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ تینوں لفظ کفر، ظلم اور فِسق احکامِ الٰہیہ سے سرتابی کرنے والوں کے مختلف حالات کے پیشِ نظر کہے گئے ہوں یعنی اگر اس نے یہ سرتابی ازراہِ تمرد وتحقیر کی تو وُہ کافر ہے اور اگر دِل میں اِنکار تو نہیں بلکہ ویسے حکم عدُولی ہو گئی تو وُہ ظالم و فاسق ہوگا۔ ویجوز ان یکون کل واحدۃ من الصفات الثلاث باعتبار حال

الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَ

آنکھ کے بدلے آنکھ ۹۷، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور

السِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ

دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لیے قصاص تو جو شخص ۹۸ معاف کر دے بدلا تو یہ معافی کفارہ

كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ

بن جائے گی اس کے گناہوں کا۔ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اتارا اللہ نے تو وُہی لوگ ظالم

الظّٰلِمُونَ ۝٤٥ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

ہیں اور ہم نے پیچھے بھیجا ان کے نقش قدم پر عیسیٰ بن مریم کو ۹۹

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْإِنْجِيلَ

تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے موجود تھا یعنی تورات اور ہم نے دی اسے انجیل

انضمت الی الامتناع عن الحکم به ملائمة لها (بیضاوی) سچ تو یہ ہے کہ اِن آیات کے بعد کسی مُسلمان کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ وُہ اپنے لیے، اپنی قوم اور اپنی رعایا کے لیے ایسے قوانین تجویز کرے جو احکامِ خُداوندی کے خلاف ہوں۔

۹۷ تورات میں طرح طرح کے ردّ و بدل کے باوجُود آج بھی یہ حکم موجُود ہے جو قرآن کی حقّانیّت کی تصدیق کرتا ہے "اگر وُہ اِس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تُو جان کے بدلہ میں جان لے اور آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت اور ہاتھ کے بدلہ ہاتھ، پاؤں کے بدلہ پاؤں، جلانے کے بدلہ جلانا، زخم کے بدلہ زخم اور چوٹ کے بدلہ چوٹ (خروج ۲۱: ۲۳-۲۵)

۹۸ ظالم کے لیے عبرت ناک سزا تجویز فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ مظلوم کو عفو و درگزر کی تلقین کی۔ عدل و انصاف اور رحم و کرم کا کِتنا حسین اِمتزاج ہے۔

۹۹ حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کے بعد سِلسلۂ نبوّت جاری رہا۔ مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں انبیاء مبعُوث ہوتے رہے۔ ان کے پیچھے اور ان کے نقشِ قدم پر حضرت عیسیٰؑ تشریف لے آئے۔ انھوں نے تورات کی تصدیق کی۔ انھیں انجیل دی گئی۔ وُہ بھی تورات کی طرح سراپا ہدایت و نُور تھی۔

فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اس میں ہدایت اور نور تھا اور تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھا یعنی تورات

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٤٦ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ

اور (یہ انجیل) ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لیے اور ضرور فیصلہ کیا کریں انجیل والے اس کے مطابق

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ

جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس میں۔ اور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہی لوگ

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝٤٧ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

فاسق ہیں اور (اے حبیب) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب ہے ۹۰ اور (یہ قرآن) محافظ ہے اس پر تو آپ فیصلہ فرمائیں ان کے درمیان

۹۰ تورات وانجیل کے بعد قرآن اور اس کی چند خصوصیات کا ذکر فرمایا۔ پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس کا نزول حق کے ساتھ ہوا ہے۔ لفظ حق کی پوری تشریح آل عمران کے حاشیہ نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔ علامہ راغب کے اس قول کا اعادہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ کوئی فعل یا قول اس وقت حق کہلاتا ہے جب کہ وہ اس طرح پایا جائے جیسے چاہیئے۔ اس اندازے سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزوں ہو اور اس وقت پایا جائے جب اس کی ضرورت ہو (مفردات) اس مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب آپ بالحق کے لفظ کو پڑھیں تو قرآن کی جلالت شان واضح ہوگی۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن ان کتب پر مہیمن بن کر آیا ہے۔ مھیمن متعدد معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ محافظ، نگہبان، نگران، شاہد اور امین۔ یہاں مہیمن کے یہ سارے معانی لیے جا سکتے ہیں یعنی دین کے وہ عقائد اور اصول جو سابقہ آسمانی کتب میں بیان کیے گئے تھے جن میں سے بعض فراموش کر دیے گئے اور بعض میں ردّوبدل کر کے انھیں کچھ کا کچھ بنا دیا گیا قرآن اُن کا محافظ ہے ان کو صحیح رنگ میں پیش کرتا ہے۔ اور اپنے صفحات میں ان کی ایسی حفاظت و نگہبانی کر رہا ہے کہ اب وہاں کسی محرّف کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا قرآن آسمانی کتب کا رقیب و نگران بھی ہے۔ کیونکہ قرآن ہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ موجودہ تحریف شدہ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ

اس سے جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے ۱۰۱ اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی ۱۰۲ اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

ہر ایک کے لیے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ ۱۰۳ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو)

آسمانی کتابوں میں حق کی کتنی مقدار جُوں کی تُوں موجُود ہے۔ قرآن اِس بات پر گواہ بھی ہے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا و رُسل پر نازل فرمائی تھیں۔ قرآن امین بھی ہے۔ گزشتہ انبیاء کی تعلیمات کو جُوں کا تُوں پیش کرتا ہے۔ اِن میں کسی قسم کا تصرّف اور کمی بیشی نہیں کرتا۔

۱۰۱۔ تورات کے نزُول کی غرض وغایت بیان کرتے ہُوئے فرمایا کہ یحکم بھا النبیون اور انجیل کے نزول کا مقصد بیان کرتے ہُوئے فرمایا ولیحکم اھل الانجیل اور قرآن حکیم کے نازل کرنے کا مدّعا بھی یہی بتایا فاحکم بما انزل الخ ان تمام الفاظ سے یہ بتانا مطلوب ہے کہ ان کتابوں کے نازل کرنے کا مقصدِ اعلیٰ یہ ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنے تمدّنی اور معاشرتی مسائل میں اپنی سیاسی اور اقتصادی مشکلات میں ان کی روشنی سے ہدایت حاصل کی جائے اور ان کے بتائے ہُوئے راستہ پر چلا جائے۔ تب ہی تو وُہ فرق معلوم ہو سکتا ہے جو قانونِ الٰہی اور انسان کے بنائے ہُوئے ناقص قانون میں ہے۔ اور اگر اس پر عمل نہ کیا جائے اور اس کی واضح ہدایات اور احکام کے ہوتے ہُوتے اپنی خواہشات کی ہی پیروی کی جائے تو پھر ان کے نزول کا اصلی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور انسان ان برکتوں سے محرُوم ہو جاتا ہے جو ان احکام میں مضمر ہیں۔

۱۰۲۔ کسی بات سے اگر منع کیا جائے تو اس کا ہمیشہ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مُخاطب اس کا ارتکاب کرنے والا تھا اور اسے روک دیا گیا بلکہ کبھی منع اس لیے بھی کیا جاتا ہے کہ مخاطب جیسے پہلے اِس کام سے مجتنب اور محترز چلا آ رہا ہے اُسی طرح آئندہ بھی مجتنب رہے۔ یہاں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی سے روکنے کا مقصد یہ نہیں کہ معاذ اللہ آپ ان کی پیروی کا خیال کرنے لگے تھے اس لیے روکنا پڑا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جیسے پہلے آپ احکامِ الٰہیہ کی پیروی کرتے چلے جا رہے ہیں اور ان کی نفسانی خواہشات کی اِتّباع کا واہمہ تک بھی خاطرِ عاطر میں نہیں گزرتا اسی طرح آئندہ بھی ہمّت و استقلال سے احکامِ ربّانی کی اطاعت کرتے جائیے۔

۱۰۳۔ شرعۃ اور شریعۃ ہم معنی ہیں۔ شریعت لُغت میں اس راستے کو کہا جاتا ہے جو پانی کی طرف لے جاتا ہو الشریعۃ فی اللّغۃ: الطریق الذی یتوصل منہ الی الماء۔ اسی مناسبت سے شرعہ اور شریعۃ اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو نجاتِ دارین کی طرف رہنمائی کرتا ہو۔ والشریعۃ: ماشرع اللہ لعبادہ من الدین اور منہاج کہتے ہیں واضح اور

أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ

ایک ہی اُمّت ۱۰۴؎ لیکن آزمانا چاہتا ہے تمھیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو۔ تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں ۱۰۵؎

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے ۱۰۶؎ پھر وُہ آگاہ کرے گا تمھیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے۔

روشن راستہ کو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وُہ عقائد اور کلّیات جن پر انسان کی نجات کا انحصار ہے وُہ تو تمام آسمانی کتابوں میں یکساں ہیں لیکن شریعت کے احکام اور ان کی تفصیلات، عبادات اور ان کی شکل وصُورت، حلّت وحُرمت کے قواعد ان میں اختلاف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی اُمتوں کی ذہنی سطح، اُن کا مخصُوص ماحول، ان کے معاشرہ کے تقاضے، ان کی سیاسی اور اقتصادی ضروریات کیونکہ مختلف تھیں اس لیے ان فروعات میں اختلاف ناگزیر تھا۔

۱۰۴؎ یہاں اس شبہ کا ازالہ کیا جارہا ہے کہ اگر اصُول وکلّیات کی طرح فروعات میں بھی اختلاف نہ ہوتا تو کیا اچھا ہوتا۔ دین کے نام پر یہ مختلف قسم کی گروہ بندیاں ختم ہوجاتیں۔ اس کا ایک جواب تو وُہی ہے جو لکل جعلنا کے ضمن میں دیا جاچکا ہے کہ بُنیادی عقائد وکلیات میں یکسانیت کے باوجود فروعات میں یہ اختلاف عین حکمت ہے۔ اور اس کا دُوسرا جواب یہ دیا کہ ان کا امتحان بھی مقصُود تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مقصد تو یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا جائے۔ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم ہو تو کعبہ کو چھوڑ کر ادھر رُخ کرلیا جائے۔ اور اگر اسے چھوڑ کر کعبہ کی سمت منہ کرنے کا فرمان صادر ہو تو وُہ نماز پڑھتے ہُوئے ہی کعبہ کی طرف منہ کرلے اور دل میں کسی قسم کا تردّد نہ ہو۔ علّامہ بیضاویؒ نے اس کا یہ مفہُوم بھی بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جبراً ہر ایک کو اسلام کا پابند کر دیتا اور کسی کے لیے مجالِ انکار ہی نہ رہتی۔ لیکن یُوں اس لیے نہیں کیا گیا تاکہ لوگوں کی آزمائش ہوجائے کہ کون اپنے اختیار سے اس دین حق کو قبول کرتا ہے اور کون جان بوجھ کر اعتراض کرتا ہے۔

۱۰۵؎ اس مقام پر یہ جُملہ کتنا معنی خیز ہے کہ ان جھگڑوں میں پڑ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو بلکہ اللہ کے اس آخری دین، آخری کتاب اور آخری رسُولؐ پر ایمان لے آؤ اور دُوسرے لوگوں سے نیکی کے میدان میں بازی لے جانے کی سر توڑ کوشش کرو۔ اہل کتاب کو غیرت دلائی جارہی ہے کہ عرب کے مُشرک اور جاہل لوگ تو دھڑا دھڑ اس دین کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو میں راہِ راست پر تیزی سے قدم بڑھائے چلے جارہے ہیں اور تم صاحب علم و دانش اور اہل کتاب ہو کر فضُول بحثوں اور بے کار حُجّت بازیوں میں اپنی عمریں برباد کر رہے ہو۔ چھوڑو ان لایعنی باتوں کو اور ایمان وعمل کی سیدھی راہ پر چل پڑو۔

۱۰۶؎ یہ دُنیا جس کی دلچسپیوں میں تم کھو کر رہ گئے ہو، یہ تمھاری عارضی قیام گاہ ہے۔ تمھیں ایک دن یہاں سے رختِ سفر

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ

اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور

احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ

آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کر دیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اُتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف ١٠٧ اور اگر وہ

باندھنا ہے اور اپنے علیم و خبیر ربّ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اپنی بدعملی اور گمراہی پر اب تو تم طرح طرح کے خوبصورت پردے ڈال کر لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتے ہو لیکن اس روز کیا کرو گے جب سب پردے اُٹھا دیئے جائیں گے۔ اور حقیقت بے نقاب ہو جائے گی۔

١٠٧۔ اے مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب خود تو احکام الٰہیہ سے مُنہ موڑ چکے تھے اور اپنی کتابوں سے رشتہ توڑ چکے تھے لیکن اب وُہ یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ تم ہدایت کی راہ پر چلو اس لیے وُہ طرح طرح کے شبہات، قسم قسم کے اعتراضات اور گوناگوں وسوسوں سے تمھیں بھی اپنے دین سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ خبردار! ان کے جال میں پھنس کر اللہ کے دینِ قیّم کی رسّی چھوڑ نہ دینا۔ آج بھی گُم کردہ راہ لوگ متاعِ ایمان لُوٹنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر رہے ہیں۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا جا رہا ہے۔ فتنوں اور سازشوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب اسلامی اقدار کو بہالے جانے کے لیے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ کاش ہم قرآن کی اس تنبیہ پر کان دھریں اور ہوشیار ہو جائیں۔ چور نہیں بلکہ وُہ مالک قابلِ ملامت ہے جو اپنے قیمتی سامان کی حفاظت نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان فرمایا ہے کہ چند یہودی علماء نے جن میں ابن صوریا، کعب بن اسد اور ابن صلونا ان کے اکابر بھی تھے یہ مشورہ کیا کہ آؤ چلیں محمد (فداہ امّی و ابی صلی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس اور انھیں کسی حیلہ سے اپنے دین سے برگشتہ کریں فانما ھو بشر وُہ بشر ہی تو ہے اسے دھوکا دینا کیا مشکل ہے۔ بڑی سوچ بچار سے ایک منصوبہ تجویز کیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے احبار (علماء) ہیں اور اگر ہم آپ کا دین قبول کر لیں تو سب یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمارا بعض لوگوں کے ساتھ کچھ تنازعہ ہے۔ ہم اس کے تصفیہ کے لیے آپ کے پاس آئیں گے۔ اگر آپ نے اس کا فیصلہ ہمارے حق میں کیا تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے ایمان لانے سے سارے یہودی اسلام قبول کر لیں گے۔ بہت ہی خطرناک تھی یہ سازش! انھیں اچھی طرح علم تھا کہ کسی کے اسلام قبول کرنے سے جو مسرّت حضور کو ہوتی ہے وُہ اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ وُہ عقل کے اندھے سمجھ رہے تھے کہ بشر ہی تو ہے ہمارے جال میں پھنس جائے گا لیکن حقائق عالم کو بے حجاب دیکھنے والا، اسرارِ کائنات کے رُخ سے ہر نقاب اُلٹ دینے والا، دینِ اسلام کا سچا داعی یہ رشوت کب قبول کر سکتا تھا جس کی فراست نورِ خداوندی

تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ

مُنہ پھیرلیں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انھیں ان کے بعض گناہوں کی ۱۰۸

وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ؕ

اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں تو کیا وُہ جاہلیت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں ۱۰۹

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ

اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے اے ایمان

ع ۷ / ۱۱

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ

وقف غفران

والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (و مددگار) وُہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست

سے روشن تھی اس سے ان کی چال کیوں کر مخفی رہ سکتی تھی۔ فابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) حضورؐ نے صاف انکار کر دیا۔ فنزلت ھذہ الاٰیة (قرطبی) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وُہ بیچارے ساری عمر اسی غلط فہمی کا شکار رہے کہ یہ بھی ہماری طرح بشر ہیں۔ اور ان کی نگاہیں مقام محمدیؐ کی رفعتوں کو نہ دیکھ سکیں۔ آفتابِ مصطفوی کی جلوہ سامانیوں کو نہ پا سکیں۔ آج بھی توحید کی آڑ لے کر شانِ رسالت کی عظمتوں کا انکار کرنے والے بعینہٖ یہی الفاظ دہراتے سُنائی دیتے ہیں۔ اس یہودی ذہنیّت کو مُسلمان کہلانے والوں نے کیوں اور کیسے قبول کر لیا بڑی حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔

۱۰۸ بار بار فہمائش کے باوجود وُہ اپنی اصلاح پر آمادہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سزا کے لیے بہت بیتاب ہیں جو ایسے سرکش مجرموں کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ وہ وقت آیا جب مدینے کی پاک سرزمین سے ان کو جلاوطن کر دیا گیا۔ کئی قتل کر دیتے گئے۔ باقی جزیہ دینے پر مجبور ہو گئے۔

۱۰۹ جاہلیّت اس نظامِ حیات کو کہتے ہیں جہاں قانون سازی کا کامل اختیار خالقِ کائنات کو نہ ہو بلکہ انسانی اغراض اور خواہشات کے ہاتھ میں ہو۔ جہاں اقتدار و حکومت کی مسند پر وحی الٰہی کے بجائے انسان کا ناقص اور ناتمام علم قابض ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم ان آسمانی کتابوں کی اطاعت کو گراں سمجھ رہے ہو۔ جن میں ہدایت ہی ہدایت، نور ہی نور ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دورِ جہالت کے اس ظالمانہ نظام کو اپنانا چاہتے ہو جس میں غریب و امیر، کمزور اور طاقتور، حاکم اور محکوم کے لیے الگ الگ قانون تھے۔ ذرا سوچو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہُوئے احکام جو عین عدل و

بَعْضٍ ۘ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

ہیں اور جس نے دوست بنایا انھیں تم میں سے سو وہ انھیں میں سے ہے ۱۱۰ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥١ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

ظالم قوم کو سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ

یہود و نصاریٰ کی طرف۔ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آجائے ۱۱۱ تو وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (انھیں) دیدے

انصاف اور مجسّم رحم و کرم ہیں وہ بہتر ہیں یا تمھارا یہ ظالمانہ نظام جہاں خواہشاتِ نفسانی کی سروری ہے۔

۱۱۰ دشمنانِ دین کو اپنا ہم راز اور صلاح کار بنانے اور ان پر کامل اعتماد کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے جس کی توضیح کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔ مسلمانوں کی صفوں میں ابھی کئی منافق تھے جو مسلمانوں سے بھی روابط قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ یہود کی طرف بھی دلی میلان رکھتے تھے۔ اور مسلمانوں کے راز وقتاً فوقتاً ان کو بتایا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی سرگرمیاں کیونکہ بہت خطرناک تھیں اس لیے مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو ایسے دلی تعلّقات قائم کرے وہ زمرۂ مسلمین سے نہیں۔

۱۱۱ پہلے تو یہ عام حکم دیا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ایسے گہرے یارانے نہ گانٹھو ورنہ تمھارا شمار انھیں میں سے ہوگا۔ اب منافقین کے ایک خاص گروہ کی روش کو بے نقاب کیا جا رہا ہے جو دونوں کشتیوں میں بیک وقت سوار رہنے کے لیے کوشاں تھے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر وہ دل سے تو ایمان لائے ہوئے نہ تھے تاکہ وہ اپنی قسمت کو کلیۃً اسلام کے ساتھ وابستہ کر دیتے اور مشکلات اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر اسلام کو غالب و منصور کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ وہ تو مصلحت کے پرستار تھے۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام اور کفر میں کشمکش شروع ہے ہو سکتا ہے مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفر کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ ان غیر یقینی حالات میں ان کی عقلِ مصلحت بین کا فیصلہ یہی تھا کہ کسی ایک فریق کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دینا نادانی بلکہ دیوانگی ہے۔ اس لیے تم مسلمانوں سے بھی راہ و رسم رکھو اور کفار کے ساتھ بھی تمھارے تعلّقات دوستانہ رہیں۔ اگر مسلمانوں کو شکست ہو (جس کے وہ دل سے خواہاں تھے) تو اس وقت تم بے یار و مددگار ہو کر نہ رہ جاؤ۔ ان کی اس غلط اندیشی پر انھیں سرزنش ہو رہی ہے کہ تم کس اُدھیڑ بُن میں ہو۔ اللہ تعالیٰ تو عنقریب اپنے دین کو فتحِ مبین عطا فرمانے والا ہے اور مسلمانوں کی تقویّت اور دین کی اشاعت کے دوسرے وسائل بہم پہنچانے والا ہے۔ اس وقت تمھاری

بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ

فتح کامل یا (ظاہر کردے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو اُنھوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں

نٰدِمِيْنَ ؕ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا

نادم اور (اُس وقت) کہیں گے ایمان والے ۱۱۲ے کہ کیا یہی وُہ لوگ ہیں جنھوں نے قسمیں اٹھائی تھیں

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا

اللہ کی سخت سے سخت کہ وُہ یقیناً تمھارے ساتھ ہیں اکارت گئے ان کے اعمال اور ہوگئے وُہ (سراسر)

خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

نقصان اُٹھانے والے ۱۱۳ے اَے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے ۱۱۴ے اپنے دین سے

یہ دوغلی پالیسی تمھارے کام نہیں آئے گی۔ دائرۃ گردش زمانہ کو کہتے ہیں۔ نخشٰی ان تصیبنا دائرۃ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب مُسلمان ان کو ٹوکتے کہ اللہ تعالیٰ کے بار بار منع فرمانے کے باوجود تم یہُود سے قطع تعلق کیوں نہیں کرتے تو وُہ مُنافق ان کو جواب دیتے کہ یہُود بڑے متموّل اور سرمایہ دار ہیں۔ ہم تو فقط اس لیے ان کے ساتھ راہ و رسم رکھتے ہیں کہ مبادا کہیں قحط پڑ جائے یا کوئی اور ناگہانی مُصیبت آجائے تو اُس وقت ہم اُن سے روپیہ پیسہ یا غلّہ وغیرہ کی اِمداد لے سکیں۔ اِن کی اس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو غلبہ دے گا۔ دولت و ثروت مُسلمانوں کی لونڈی بنے گی۔ یہ یہُودی مہاجن اور ساہوکار یہاں سے جلاوطن کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت حسرت و ندامت کے بغیر تمھارے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہے گا۔ اِس لیے بہتر ہے کہ ابھی سے اِسلام کا دامن مضبُوطی سے تھام لو۔ اور اس کے دُشمنوں سے اپنے تعلّقات منقطع کر لو۔

۱۱۲ے مُسلمان آپس میں کہا کرتے کہ کیا یہ وُہ لوگ ہیں جو بڑے جوش و خروش سے قسمیں کھا کر ہمیں اپنی اعانت کا یقین دلایا کرتے اور اُن کا حال یہ ہے کہ جب دیکھو کسی دُشمن دین کی گود میں بیٹھے اس سے سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ یہ عجیب لوگ ہیں۔

۱۱۳ے ان کی کافر دوستی اور مُسلم دشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو نیکیاں بظاہر اُنھوں نے کی تھیں وُہ اکارت ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے نفاق کا پردہ چاک کر کے اُنھیں رُسوا کر دیا اور قیامت کے روز اُنھیں اپنی بدنصیبی کا صحیح اِحساس ہو گا۔

۱۱۴ے اِس آیتِ کریمہ میں مُخلص مُسلمانوں کو اِطمینان دلایا جا رہا ہے کہ تمھاری صفوں میں چھُپے ہُوئے مُنافق اگر اعلانیہ کُفر اختیار کر لیں تو بھی اِسلام کا چراغ روشن رہے گا۔ اُن کی جگہ اُن سے بہتر، ذہین، فہیم اور مخلص لوگ اِسلام کو قبول کریں گے اور

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

(تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا ۱۱۵ اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے ۱۱۶ اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کیلیے

اس کی عظمت کو چار چاند لگا دینگے۔ نیز اس آیت میں ایک بہت بڑے واقعہ کے متعلق پیشین گوئی بھی کی گئی ہے کہ بعض بدنصیب اس دین سے برگشتہ ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اسلام کو ایسے جانباز سپاہی اور جواں ہمت مجاہد عطا فرمائے گا جو ان مرتدین کا قلع قمع کر کے مملکتِ اسلامیہ کی بنیادوں کو ایسا مضبوط اور مستحکم بنا دیں گے کہ پھر صدیوں تک اس میں لچک پیدا نہ ہوگی۔ چنانچہ قرآن نے جو فرمایا وہ ہو کر رہا۔ حضور سرورِ کائنات علیہ اجمل التحیات و احسن التسلیمات کے آخری ایام میں اسود عنسی نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کر دیا لیکن فیروز دیلمی نے اس رات اس کا کام تمام کر دیا جس کی صبح کو حضورؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی وقت صحابہؓ کو اس کی اطلاع بھی دے دی جس سے صحابہؓ کو بڑی فرحت ہوئی (بیضاوی) قبیلہ بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب نے، بنو اسد میں طلیحہ نے اپنے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ حضور پُرنورؐ کے انتقال کے بعد حالات اور نازک ہو گئے۔ کئی قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ غرضیکہ ارتداد کی آندھی اس زور سے چلی کہ عرب کے بادیہ نشین قبائل میں سے شاذونادر ہی کوئی اپنے ایمان کی شمع روشن رکھ سکا۔ لیکن صد آفرین حضرت صدیق کے ایمان و یقین پر، ان کے عزم و استقلال اور ان کے تدبر و فراست پر اور ان جانباز اور سرفروش مسلمان مجاہدین پر جنھوں نے اس تند و تیز طوفان کا منہ پھیر دیا اور دو سال سے کم عرصہ میں سارے جزیرۂ عرب پر پھر توحید کا پرچم لہرانے لگ گیا۔

۱۱۵ وہ قوم کون تھی؟ حضرت صدیق، ان کے رفقاء کار، ان کے لشکروں کے جانباز سپاہی، یمن کے قبائل، عرب کے دوسرے لوگ جنھوں نے بڑی بے جگری سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۱۱۶ ہر فتو اور نتھو کا کام نہیں کہ وہ حوادثات کے منہ زور ریلے کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے اور فتنہ و فساد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود کر انھیں گلزارِ خلیل بنا دے۔ اس لیے فرمایا کہ اس نازک وقت میں اسلام کی امداد کے لیے سربکف نکلنے والے صرف وہی لوگ ہوں گے جو ان صفات سے متصف ہوں گے وہ اللہ کے پیارے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا محبوب ہوگا۔ اہلِ ایمان کے لیے وہ نرم، مشفق اور سراپا لطف و عنایت ہوں گے اور کافروں کے لیے فولاد کی چٹان کی طرح سخت ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ اس والہانہ سرفروشی اور تن فراموشی کے پس پردہ کوئی مادی منفعت کارفرما نہیں ہوتی بلکہ ان کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے اٹھتا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے متاثر نہیں ہوتے۔

آپ نے غور فرمایا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے جانباز مجاہدوں کو قرآن کریم کن الفاظ سے خراجِ تحسین

أَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ

بہت سخت ہوں گے کافروں پر جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے

لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے یہ (محض) ١١٧ اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت

عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

والا سب کچھ جاننے والا ہے تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (پاک) ہے ١١٨ اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا

پیش کر رہا ہے۔ جس کے سپاہیوں کی یہ شان ہو، جس کے لشکری اِن اَوصافِ حمیدہ سے متّصِف ہوں، جنھیں زبانِ قُدرت ان پاکیزہ جُملوں سے سرفراز فرما رہی ہو اُس خلیفہ برحق کی شان کتنی رفیع اَور اُس کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ ایسے خلیفہ کی خلافت کی حقّانیّت کے بارے میں کسی ایسے شخص کو تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا جو قرآن کو خدا کا کلام اور اپنے خدا کو علیمٌ بذات الصدور یقین کرتا ہو۔

١١٧ مالکِ حقیقی جسے چاہتا ہے اُسے اپنے انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس کا فضل وکرم بے پایاں ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ وُہ خُوب جانتا ہے کہ کس ذرّۂ ناچیز کو اپنی رحمت سے رشکِ مہرِ درخشاں بنانا ہے۔

١١٨ پہلے دُشمنانِ اِسلام سے دوستی اور محبّت کرنے سے روکا گیا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ مسلمان کس سے محبّت و پیار کریں کِسے اپنا ناصر اَور مددگار بنائیں۔ فرمایا تمہارا دوست اور مددگار اللہ تعالیٰ، اُس کا رسُول اَور وُہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں لیکن دُنیا کو دِکھانے کے لیے نہیں بلکہ وھم راکعون یعنی نہایت خشوع وخضوع سے عبادتِ الٰہی میں مشغول ومنہمک رہتے ہیں۔ رکع بمعنی خشع کثیر الاستعمال ہے مثلاً ؎

لا تُهِنِ الفقير علك ان ترکع یوما والدهر قد رفعه

یعنی کسی فقیر کو حقارت کی نظر سے مت دیکھ۔ ہو سکتا ہے کہ تُو ذلیل ہو جائے اور زمانہ اُس کو سربلند کر دے۔ اِسی طرح وارکعی مع الراکعین میں بھی رکوع سے عاجزی اور انکساری ہی مُراد ہے۔ کیونکہ یہ رکوع جو ہم نماز میں کرتے ہیں وُہ پہلی اُمّتوں میں نہیں تھا۔ اِس صُورت میں یہ جُملہ حال ہوگا۔ اور نماز پڑھنے والے، زکاۃ دینے والے ایماندار ذوالحال ہوں گے بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ آیت حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی ہوا یوں کہ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ آپ اُس وقت حالتِ رکوع میں تھے آپ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر اُسے دے دی بعض صاحبان نے اس آیت سے حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافتِ بلا فصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ

کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وُہ بارگاہِ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا

وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع ٨ ١٢

اللہ کو اور اس کے رسولِ کریم کو اور ایمان والوں کو (تو وُہ اللہ کے گروہ سے ہیں اور) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے

لفظ ولی سے مُراد یہاں متصرّف فی الامُور یعنی اِمام اور خلیفہ ہے اور انما حصر کا کلمہ ہے تو آیت کا مطلب ہُوا کہ تمھارے اُمور میں تصرّف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ، اس کا رسُولِ پاک اور وُہ مومن ہیں جنھوں نے رکوع کی حالت میں خیرات دی ہو۔ اور یہ کام کیونکہ صرف حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اس حصر کے پیشِ نظر صرف آپ ہی خلیفہ ہو سکتے ہیں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کا یہ اِستدلال کئی وجُوہ سے توجّہ کے لائق نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ ولی کا معنی یہاں متصرّف فی الامُور (خلیفہ اور امام) نہیں بلکہ ناصر اور مددگار ہے۔ کیونکہ بعینہٖ یہی لفظ اس آیت میں مذکور ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء (اَے ایمان والو! یہُود و نصاریٰ کو ولی نہ بناؤ) اور یہ واضح ہے کہ کوئی بھی انھیں خلیفہ نہیں بناتا تھا بلکہ بعض مُنافق انھیں اپنا ناصر اور مددگار سمجھتے تھے۔ اِس آیت کے بعد والی آیت میں بھی ولی بمعنی ناصر ہے تو جس چیز کی نفی ہو رہی ہے اسی کا ہی اثبات ہو رہا ہے یعنی یہُودی وغیرہ تمھارے دوست نہیں بلکہ اللہ اور اس کا رسولؐ اور مومن تمھارے دوست ہیں۔ دُوسری عرض یہ ہے کہ ولایت عامہ اور خلافت کبریٰ اگر صرف ان لوگوں میں ہی محصور ہو جن میں وھو راکعون کی صفت پائی جاتی ہو تو پھر حضرت اِمام حسنؓ اور امام حسینؓ بلکہ جُملہ گیارہ ائمّہ اہلِ بیت کی اِمامت کا ان صاحبان کو بھی انکار کرنا پڑے گا کیونکہ ان میں سے کسی نے حالتِ رکوع میں زکوٰۃ نہیں دی۔ اور امام صِرف وُہی ہو سکتا ہے جو حالتِ رکوُع میں زکوٰۃ دے اِس لیے ان کے اپنے قائم کردہ قاعدہ کے مُطابق ان حضرات میں سے کوئی بھی اِمام نہیں ہو گا اور شاید اِس بات کے لیے تو وُہ بھی تیار نہ ہوں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ آیت حضرت سیّدنا علیؓ کی اِمامت بلا فصل کی دلیل ہوتی تو آنحضرتؐ اسے ضرور پیش فرماتے۔ اور ان وجُوہات کے پیشِ نظر ان صاحبان کا اِستدلال قابلِ التفات نہیں۔

نیز یہ روایت بھی توجہ طلب ہے۔ نماز میں سائل کے سوال کی طرف توجّہ کرنا، پھر ایک ہاتھ کی اُنگلی میں جو انگوٹھی ہے اُس کو دُوسرے ہاتھ سے اُتارنا، پھر ہاتھ بڑھا کر سائل کو دینا یہ عمل کثیر اور توجہ الی الغیر حضرت علی مُرتضیٰؓ کی شان سے بہت بعید ہے جن کی حالتِ اِستغراق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ نماز ادا کرتے ہوئے دُنیا و مافیہا بلکہ اپنے جسم تک کی خبر نہ رہتی تھی۔ ایک بار جناب کے جسم کو چیر کر تیر نکالا گیا لیکن نہ آپ کو درد ہُوا اور نہ تیر نکالنے کا علم ہُوا۔ ایسی محویّت سے نماز ادا کرنے والا حالتِ نماز میں کسی غیر کی طرف متوجہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔

نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ وُہ انگوٹھی سونے کی تو ہرگز نہ تھی کیونکہ سونا مردوں پر حرام ہے یقیناً چاندی کی ہوگی زیادہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ

اے ایمان والو! [۱۱۹] مت بناؤ اُن لوگوں کو جنھوں نے بنا رکھا ہے تمھارے دین کو ہنسی اور

لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ

کھیل اُن سے جنھیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور کفّار سے (اپنے) دوست

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ

اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایمان دار اور جب تم بُلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو)

اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ

تو وُہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ [۱۲۰] یہ (حماقت) اس لیے ہے کہ وُہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے آپ فرمایئے

سے زیادہ اس کا وزن ایک تولہ ہوگا جس کی قیمت اس وقت ایک روپیہ سے بھی کم تھی۔ اگر ایک روپیہ صدقہ کرنے سے خلافت کا حق ثابت ہوجاتا ہے تو جنھوں نے ہزاروں اشرفیاں ایک بار ہی نہیں کتنی کتنی بار بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کیں اور جب بھی اسلام کے لیے ضرورت پڑی سونے اور چاندی کے سکّوں سے بھری ہوئی جھولیاں قدموں میں لاکر ڈھیر کر دیں اُن کی خلافت کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

[۱۱۹] یہود اسلامی عبادات کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اور کفّار کا تو مشغلہ ہی یہ تھا کہ اسلام کی ہر چیز سے تمسخر کیا کرتے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے محبّت و دوستی کے تعلّقات قائم کرنے سے منع فرماتے ہیں کہ وُہ دین کا مذاق اُڑائیں اور آپ اُن سے دوستی رکھیں۔ ایسے کفر نواز اسلام کی اللہ کو ضرورت نہیں۔

[۱۲۰] اذان کے متعلق یہود کہا کرتے کہ یہ کیا نئی رسم نکالی ہے جس کا پہلے دینوں میں نام و نشان تک نہیں۔ یہ شور و غل ناقابل برداشت ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنے گھنٹوں اور ناقوسوں کی بے معنی چیخ و پکار کے مقابلہ میں اذان کے پیارے پیارے اور معنی خیز جملوں کی قدر کرتے وُہ اُلٹا تمسخر اُڑاتے۔ یہ اُن کی حماقت اور نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔ علاّمہ قرطبی لکھتے ہیں کہ مدینہ میں ایک عیسائی تھا جب مؤذّن اشھد ان محمدا رسول اللہ کے دلنواز الفاظ کہتا تو وُہ بدبخت کہا کرتا حرق الکاذب کہ جھوٹا جلایا جائے۔ چنانچہ ایک رات وُہ سو رہا تھا کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی جس میں وُہ اور سارا کُنبہ جل کر راکھ ہوگیا۔ گویا اس کو جلا کر اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ جھوٹا کون ہے۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ

اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو ١٢١ ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اُتارا گیا

اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ

ہماری طرف اور جو اُتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں آپ (انھیں) فرمائیے کیا

اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ

میں آگاہ کروں تمھیں کہ کون بُرا ہے ان سے ١٢٢ باعتبار جزاء کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ (بُرے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور

غَضِبَ عَلَیْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ

غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وہ بُرے ہیں) جنھوں نے پُوجا کی شیطان کی

١٢١ نقم کہتے ہیں ناپسند کرنے مکروہ و معیوب سمجھنے کو اور انتقم کا معنی بدلہ لینا، انتقام لینا ہے۔ یقال نقم منه كذا اذا انكره وانتقم اذا كافاه (بیضاوی) حکم ہو رہا ہے کہ یہود سے دریافت کرو کہ تم ہم سے ناراض اور کھچے کھچے کیوں رہتے ہو۔ چور ہم نہیں جھوٹ ہم نہیں بولتے کسی پر ظلم و تعدی ہم نہیں کرتے۔ کسی کے دین کی توہین کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ پھر اس غصہ و غضب کی آخر کیا وجہ ہے؟ ہاں ہم میں ایک چیز ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو واحد و یکتا سمجھتے ہیں، اس کی جو کتاب ہم پر نازل ہوئی یا جو کتابیں ہم سے پہلے انبیاء سابقین پر نازل ہوئیں ان سب پر ایمان لائے ہوئے ہیں شاید اس وجہ سے تم ہمیں بُرا سمجھتے ہو۔ اگر یہی وجہ ہے اس بغض و عناد کی تو پھر خود ہی انصاف کرو خطا کس کی ہے ہماری یا تمھاری؟

١٢٢ چند یہودی جن میں ابو یاسر بن اخطب اور رافع بن ابی رافع بھی تھے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کن کن رسولوں کو مانتے ہیں۔ حضورؐ نے جواب میں یہ آیت مبارک پڑھی نؤمن باللّٰه وما انزل الینا الی قوله تعالیٰ ونحن له مسلمون ان انبیاء کے اسماء میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا گیا تو یہودیوں نے ان کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے کہا واللّٰه لا نعلم دینا شرا من دینكم۔ بخدا ہم تمھارے دین سے بُرا کوئی اور دین نہیں جانتے۔ ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور انھیں بتا دیا گیا کہ بُرے اور شریر وہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی درگاہِ رحمت سے دُور کر دیا، جن پر اس کا غضب ہوا اور جن کو ان کی بدکرداریوں کی پاداش میں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ اور جنھوں نے شیطان کی بندگی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ اے یہود! اگر اپنے اعمال کے آئینے میں غور سے دیکھنے کی تم نے زحمت اُٹھائی تو تم پر عیاں ہو جائے گا کہ چشم بد دُور! وہ آپ ہی ہیں۔

أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ

وُہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دُوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہِ راست سے اور جب آتے ہیں تمھارے

قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لاچکے حالانکہ وُہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وُہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب

بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ

جانتا ہے جسے وُہ چھپا رہے تھے اور آپ دیکھتے ہیں بہتوں کو ان میں سے کہ بڑے تیز رفتار ہیں گناہ

وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا

اور زیادتی کرنے میں ۱۲۳ اور حرام خوری میں بے شک یہ بہت ہی بُرے کام کرتے رہے ہیں کیوں نہیں

يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ

منع کرتے انھیں ۱۲۴ ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے

۱۲۳ یہ آیت مُنافقینِ یہُود کے بارے میں نازل ہُوئی۔ اثم: گناہ۔ عدوان: سرکشی۔ بعض علماء نے ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ اثم اس گناہ کو کہتے ہیں جو انسان کی اپنی ذات تک محدُود ہو اور عدوان اس کو جس کا ضرر دُوسروں تک پہنچے (بیضاوی)

۱۲۴ علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ لولا اگر ماضی پر داخل ہو تو زجر و توبیخ کے لیے ہوتا ہے یعنی اُنھوں نے کیوں ایسا نہ کیا۔ کیوں اپنے فرض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی۔ اور اگر مضارع پر داخل ہو تو کسی کام پر برانگیخت کرنے اور اُکسانے کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں مضارع پر داخل ہے اور مقصد یہ ہے کہ اہلِ کتاب کے عُلماء۔ اپنا فرضِ منصبی ادا کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ لوگوں کو حرام کاری اور حرام خوری سے منع کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ھی اشد آیۃ فی القران (کشاف) یہ قرآن کریم کی سخت ترین آیت ہے۔ اور ضحاک کہتے ہیں ما فی القران اخوف عندی منھا (کشاف) میرے نزدیک قرآن میں اس سے زیادہ خوف دلانے والی کوئی آیت نہیں اس میں علماء اسلام کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید بلیغ ہے۔ علامہ قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک فرشتہ کو حکم دیا گیا کہ فلاں گاؤں کو برباد کردو۔ اس نے عرض کی کہ اس میں تو فلاں عبادت گزار رہتا ہے حکم ہُوا کہ ہلاکت کی

السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ

سے ۔ بے شک بہت بُرے ہیں وُہ کرتوت جو وُہ کیا کرتے تھے ۔ اور کہا ۱۲۵ یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ

مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

جکڑا ہوا ہے ۔ جکڑے جائیں ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ اس (گستاخانہ) قول کے ۱۲۶ بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے ۱۲۷ اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف

وقف لازم

ابتدا اسی سے کرو۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے شریعت کے احکام کی خلاف ورزیاں ہوتی رہیں اور کبھی اس کے چہرے کا رنگ تک بھی میلا نہ ہوا۔

۱۲۵ پہلے تو یہ بتایا کہ یہود اسلامی عبادات، اذان وغیرہ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا کہ اب ان کی بیباکی اور جسارت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عزّت وجلال میں بھی گستاخانہ کلمات زبان پر لانے سے نہیں شرماتے۔

جب یہود نے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اور حضور کے غلاموں کو دیکھا کہ زندگی فقر وفاقہ سے کٹ رہی ہے افلاس وتنگ دستی کا دور دورہ ہے اور قرآن کی یہ آیت بھی اُنھوں نے سُنی من یقرض اللہ قرضا حسنا تو بڑی بے حیائی سے کہنے لگے کہ محمدّ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا خدا فقیر ہے اور بخیل ہے۔ اسی لیے تو مسلمان بھوکے مر رہے ہیں اگر اس کے پاس کچھ ہوتا یا وُہ سخی ہوتا تو مسلمانوں کا افلاس اور غربت کے مارے یہ حال ہوتا!

۱۲۶ شدّت غضب وناراضگی سے بطور بددُعا انھیں کہا جا رہا ہے کہ تمھارے ہاتھوں میں بیڑیاں لگیں اور اس گستاخی اور بدزبانی کی پھٹکار تم پر پڑے۔ زمین وآسمان کے مالک کے خزانے بھی کبھی ختم ہو سکتے ہیں اور اس کا دستِ جُود وسخا بھی کبھی بند ہو سکتا ہے۔ معاذ اللہ۔

۱۲۷ بلکہ اس کے ہاتھ تو کُشادہ ہیں اور مصروف جُود وسخا ہیں جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ وُہ کسی کی اجازت کا محتاج نہیں۔ یہود نے اور ساری دُنیا نے دیکھا کہ اس کا ابرِ کرم اُس کے محبوب پر اور اس کے طفیل اُس کے غلاموں پر جب برسا تو ساری کائنات میں فصل بہار آگئی۔ جہاں جہالت ووحشت کے اندھیرے خیمہ زن تھے وہاں علم وعرفان کے چراغ روشن ہو گئے۔ چند سال بھی نہ گزرنے پاتے تھے کہ قیصر وکسریٰ کے خزانے ان فقیروں کی مسجدوں میں بانٹے جانے لگے۔ یہ کس کی ذرّہ پروری تھی۔ یہ کس کی بے کس نوازی تھی؟ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان، عرش وفرش کے خالق ومالک کی۔ اور کس کے طفیل؟ اس کے طفیل جس کو ردائے رحمۃ للعٰلمین اوڑھائی گئی تھی۔ جس کے

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ

آپ کے ربّ سے سرکشی اور انکار ہیں۔ اور ہم نے ڈال دی ہے ان میں ۱۲۸؎ دشمنی اور بغض

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ

روزِ قیامت تک جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ ۱۲۹؎

وَ يَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۴

اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ضرور دور کر دیتے ان سے ان کی برائیاں

ہر وقت سجدۂ نیاز و بندگی میں جھکے ہوئے سر پر محبوبیت کا تاج رکھا گیا تھا۔ اور جس کے قلبِ منور کو اس کتابِ مبین کا حامل بنا دیا گیا جس کے ہر لفظ میں علم و حکمت کے سمندر موجیں مار رہے ہیں ؎

اُمّیے بود کہ ما از اثرِ حکمتِ او واقف از سرِ نہان خانۂ تقدیر شدیم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم کما یحب ربنا ویرضی۔

عربی محاورہ میں بخیل کو مغلول الید اور سخی کو باسط الید کہا جاتا ہے۔ اور اسی معنی میں یہ الفاظ یہاں مستعمل ہوتے ہیں۔

۱۲۸؎ ہدایت قبول کرنے سے انکار اور گمراہی سے چمٹے رہنے پر اصرار کا یہ طبعی نتیجہ تھا کہ ان میں اتفاق و محبت کی جگہ چاقی اور عداوت رونما ہو جائے۔ چنانچہ مذہبی طور پر بھی وہ ان گنت فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ایک دوسرے کی تکفیر اور تضلیل میں لگ گئے۔ اور سیاسی طور پر بھی ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے۔

۱۲۹؎ اور جب کبھی بھی انھوں نے اسلام اور نبی اسلام کے خلاف فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی ناکام ہوئے اور ہمیشہ اسلام کو ہی غلبہ نصیب ہوا۔ بعض مفسرین نے کُلَّمَا (ہر بار) کو زمانۂ نبوت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ اس کو ان کی ساری تاریخ سے متعلق کیا ہے۔ جب کبھی انھوں نے کچھ ہوش سنبھالا اور آمادۂ فساد ہوتے تو ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا جابر اور قاہر دشمن مسلط کیا جس نے ان کو پیس کر رکھ دیا۔ چنانچہ پہلے بخت نصر نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ پھر جب کچھ سنبھلے اور شرارتیں شروع کیں تو فطرس (پطرس) رومی نے آکر ان کی سرکوبی کی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب کچھ شوکت و قوت حاصل کی اور دنگا فساد شروع کر دیا تو مجوس نے آکر کچومر نکال دیا۔ یہاں تک کہ اسلام نے آکر ہمیشہ کے لیے

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ

اور ہم ضرور داخل کرتے انھیں نعمت کے باغوں میں اور اگر وہ ١٣٠ قائم کرتے تورات

وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ

اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انھیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ

اُوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ١٣١ ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی ہے ١٣٢ اور اکثر

ان کی خوابوں کی دُنیا پریشان کر دی اور اُن کی جھوٹی اُمیدوں کے چراغ گُل کر دیئے (قرطبی و بیضاوی)

١٣٠ تورات اور انجیل کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے احکام کے مُطابق عمل کیا جائے اور اپنی خواہشات کے مُطابق ان میں ردّوبدل کر کے ان کو بگاڑ نہ دیا جائے۔ اقامة التوراة والانجیل العمل بمقتضاهما وعدم تحریفهما۔

١٣١ اظہارِ مبالغہ کے لیے ہے یعنی تورات و انجیل کی اتباع کی برکت سے انھیں کشادہ، حلال اور پاکیزہ روزی دی جاتی اسی طرح دُوسری آیت ہے۔ ولو ان اهل القری آمنوا واتقوا لفتحنا علیهم برکات من السماء والارض؛ اگر ان گاؤں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ اور اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آسمان سے ان کے قلب و رُوح کے لیے رحمتوں اور برکتوں کی غذا نازل کرتے اور ان کے جسم کے لیے زمین میں چھپے ہوئے رزق کے خزانوں کے منہ کھول دیتے۔ کیونکہ انسان کو جس طرح جسمانی خوراک کی ضرورت ہے اِسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ رُوحانی غذا کی ضرورت ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی سے فقر و تنگ دستی نہیں بلکہ فراخی اور وُسعت ہوتی ہے ومن یتق اللہ یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسے ذرائع سے رزق دیتا ہے جن کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

١٣٢ سب ایک جیسے نہیں۔ بلکہ ان میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو اعتدال و انصاف سے کام لیتی ہے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھ کر اس پر ایمان بھی لے آتی ہے۔

مِنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ع ٩ ١٣

ان میں سے بہت بُرا ہے جو کر رہے ہیں ۔ اَے رسُول! ۱۳۳؎ پہنچا دیجئے جو اُتارا گیا ہے آپ کی طرف

۱۳۳؎ جس قوم کی اصلاح اور ہدایت کے لیے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا گیا ان کی کوئی بات بھی تو درست نہ تھی۔ سیاسی طور پر وُہ بدنظمی اور انتشار کا شکار تھے۔ معاشی طور پر ان کی بدحالی کی مثال نہ تھی۔ اخلاقی لحاظ سے ان کے ہاں گنگا ہی اُلٹی بہہ رہی تھی۔ شراب نوشی، جوّا بازی اور بدکاری، سرداری اور دولت مندی کی علامات تھیں۔ ظلم وقتل کو شجاعت، معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو تقاضائے حمیّت وغیرت اور اسراف وفضول خرچی کو سخاوت کہا نہیں جاتا تھا بلکہ یقین کیا جاتا تھا۔ دینی لحاظ سے تو اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ وُہ گھر جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہاں تین سو ساٹھ بتوں کی پُوجا ہو رہی تھی۔ اور یہ ان کا دین تھا۔ ان کا عقیدہ تھا۔ انھیں اس پر کامل یقین بھی تھا اور اس سے والہانہ محبّت بھی تھی۔ اب جو ہستی ایک ہمہ گیر انقلاب کی داعی بن کر آئی تھی اور جسے زندگی کے ہر شعبہ میں ہر خرابی کی اصلاح کے لیے مقرر فرمایا گیا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ سیاسی انتشار کے جو محرّکات تھے ان پر بھی ضرب کاری لگائے۔ وُہ عناصر جن کی دھاندلیاں وہاں کی معاشی زندگی کو درہم برہم کر رہی تھیں ان کے منہ میں بھی لگام دے۔ وُہ خبیث عادتیں اور وحشیانہ افعال جن پر اخلاق عالیہ کے دلکش غلاف چڑھے ہوئے تھے ان کو بھی بے نقاب کرے اور اخلاق فاضلہ کا صحیح مفہوم بھی ان کے ذہن نشین کرائے اور ان کی عقیدت کے صنم کدوں میں جتنے بُت تھے پتھر کے، تانبے کے، پیتل کے، اپنی خواہشات کے، اپنے نفس کے، ذاتی اور قبائلی عصبیتوں کے ان سارے بُتوں کو اِلَّا اللّٰہ کی ضرب سے ریزہ ریزہ کرے۔ اس کارِ عظیم کے لیے قدرت کی نظرِ انتخاب پڑی تو اس پر جس کا کوئی بھائی نہیں، جس کے سر پر باپ اور دادا کا سایہ نہیں۔ دولت نہیں۔ خدّام نہیں۔ اس کے پاس صرف اللہ کا نام ہے۔ یہی اس کی ساری قوتوں کا سرچشمہ ہے اور یہی اس کی ساری توانائیوں کا منبع ہے۔ اس نازک اور مشکل ترین خدمت کے لیے اسے متعیّن فرما کر اس کا رب اسے فرماتا ہے کہ آپ رسُول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور رسُول کا کام یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کا پیغام بے خوف وخطر کسی ردّ وبدل کے بغیر پہنچا دے۔ اس لیے اپنے منصب رسالت کا پاس رکھتے ہوئے اپنے رب کریم کا جو حکم آپ کو ملے اس کو اس کی مخلوق تک پہنچا دو۔ اور اگر کسی حکم کے پہنچانے میں پس وپیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اپنا فرض منصبی پُورا کرنے میں غفلت برتی ہے اور اس کا ذرا حق ادا نہیں کیا۔ باقی رہی دُشمنوں کی قوّت، کفّار کے حملے، منافقین کی سازشیں اور یہود وغیرہ کی ریشہ دوانیاں تو سُن لو اللہ تعالیٰ خود آپ کا نگہبان ہے۔ کوئی آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اب آپ خود غور کیجئے کہ اس صریح اور پُرجلال حکم کے بعد کوئی یہ باور کر سکتا ہے کہ حضوؐر نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو کسی کی پاسداری کے لیے یا کسی کے خوف سے چھپایا ہو۔ مولانا عثمانی کے یہ الفاظ بڑے معنی خیز ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

"نوعِ انسانی کے عوام وخواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی آپؐ نے

مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ۗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ

آپ کے پروردگار کی جانب سے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو

مِنَ النَّاسِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ

لوگوں (کے شر) سے یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو آپ فرمائیے اے

الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَ

اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور

مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

جو اُتارا گیا تمھاری طرف تمھارے ربّ کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا ۱۳۴ اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ

طرف آپ کے ربّ کی جانب سے سرکشی اور انکار میں پس آپ نہ افسوس کریں ۱۳۵ قوم کفّار پر بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ

جو لوگ ایمان لائے ۱۳۶ اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی جو بھی (ان میں سے)

بلا کم و کاست اور بے خوف و خطر پہنچا کر خدا کی حجّت بندوں پر تمام کر دی۔"

۱۳۴ یعنی جوں جوں آیاتِ قرآنی کا نزول ہوتا ہے ان کا غیظ و غضب بڑھتا جاتا ہے اور ان کے کفر و سرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۱۳۵ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اے میرے حبیب! آپ کا دل کیوں رنجیدہ ہو۔ اگر یہ گمراہی پر جمے ہوئے ہیں تو جمے رہیں اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔ اسی یاسی اسیً اذا حزن (قرطبی)

۱۳۶ اس آیت کی وضاحت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲ میں گزر چکی ہے۔ اور ایمان باللہ سے مراد اس کی ذات، اس کی صفاتِ کمال، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ جو کوئی کسی رسول پر ایمان نہیں لاتا وہ گویا اس کے بھیجنے والے کا انکار کر رہا ہے۔ جو شخص کسی بادشاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ
ایمان لایا اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور نیک عمل کیے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور
لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ اَرْسَلْنَآ
نہ وُہ غمگین ہوں گے بے شک ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجے تھے
اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِیْقًا
ان کی طرف رسُول جب کبھی آیا اُن کے پاس کوئی رسُول وُہ حکم لے کر جسے ناپسند کیا ان کے نفسوں نے ۱۳۷
كَذَّبُوْا وَ فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا
تو (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو انھوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کردیا اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہو گا (انھیں) عذاب ۱۳۸ تو اندھے
وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ؕ
بن گئے اور بہرے بن گئے ۱۳۹ پھر نظرِ رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر ۱۴۰ پھر وُہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے ۱۴۱

مقرر کیے ہوئے حکام کا انکار کرتا ہے وُہ یقیناً اس بادشاہ کے حکم کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر رہا ہے۔ اِس لیے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ رسُولوں پر ایمان لائے بغیر بھی نجات ممکن ہے۔

۱۳۷ جب کسی اللہ کے نبی نے بنی اسرائیل کو ان کی عہد شکنیوں اور غلط کاریوں پر ملامت کی اور انھیں کوئی ایسی بات کہی جو اُن کی طبیعتوں پر ناگوار گزری تو وُہ بھڑ گئے۔ نبوّت کے احترام کو بالائے طاق رکھ دیا اور انبیاء کی برملا تکذیب شروع کر دی اور زبانی انکار پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ بعض انبیاء کو قتل کر دیا۔ (ان تمام امُور کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

۱۳۸ فتنہ سے مُراد آزمائش اور ابتلاء ہے یعنی وُہ یہ گمان کیے ہوئے تھے کہ ہم انبیاء کی جو ہتک کر رہے ہیں اور بعض کو شہید کر دیا ہے اِس کے متعلق ہم سے باز پُرس نہ ہوگی اور ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ کیا جائے گا۔ چنانچہ علّامہ قرطبیؒ نے یہی لکھا ہے۔ ابتلاء واختبار بالشدائد لیکن علّامہ زمخشری اور بیضاوی نے فتنہ کا معنی عذاب کیا ہے یعنی وُہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ کیونکہ وُہ اللہ تعالیٰ کے فرزند اور چہیتے ہیں اس لیے وُہ خواہ کچھ کرتے رہیں انھیں عذاب ہرگز نہیں ہو گا۔ فتنہ بمعنی عذاب قرآن میں اور جگہ بھی آیا ہے مثلاً ذوقوا فتنتکم ای عذابکم۔

۱۳۹ یعنی ہر طرح کی گرفت اور باز پُرس سے بالکل مطمئن ہو کر ہدایت کا نُور دیکھنے سے اور حق کا پیغام سننے سے اپنی آنکھیں

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وُہ کرتے ہیں بے شک کافر ہو گئے وُہ جنھوں نے (یہ) کہا کہ اللہ ۱۴۲ ہی

الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا

مسیح بن مریم ہی تو ہے حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے اے بنی اسرائیل! عبادت کرو

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ

اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے

اور کان بند کر کے اندھے اور بہرے بن کر رہ گئے

۱۴۰؎ اس سے مُراد حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بعثت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے ان مدہوشوں کو ہوشیار کرنے کے لیے اپنا رسُول بھیجا پھر بھی گنتی کے چند لوگوں کے سوا یہ اندھے اور بہرے ہی بنے رہے۔

۱۴۱؎ یہاں ایک چیز حل طلب ہے۔ نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل ظاہر ہو تو خواہ وُہ جمع ہی کیوں نہ ہو فعل واحد ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں "کثیر" فاعل ظاہر ہے۔ اس کے باوجود عموا اور صموا فعل جمع کیوں ذکر کیا گیا اس کا ایک جواب یہ ہے کہ "کثیر" فاعل نہیں بلکہ "واو" علامتِ جمع اور ضمیر فاعل ہے اور کثیر اس کا بدل ہے۔ فارتفع کثیر علی البدل من الواو (قرطبی) دُوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عرب کی ایک لغت میں ایسے موقع پر بھی فعل کا جمع کا صیغہ مستعمل ہوتا رہتا ہے جیسے اکلونی البراغیث یا جیسے فرزدق کا شعر ہے ؎

ولکن دِیَافِیٌّ ابوہ وامہ بحوران یعصرن السلیط اقاربہ (قرطبی)

یہاں اقاربہ فاعل ہے پھر بھی یعصرن جمع مؤنّث ذکر ہوا۔

۱۴۲؎ عیسائی حضرت مسیح علیہ السّلام کو "اِلٰہ" مانتے ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ان کے دعویٰ کا بطلان حضرت مسیح علیہ السّلام کی زبان سے کرایا جا رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ کون اللہ جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ رب کا معنی ہے آہستہ آہستہ کسی چیز کو اس کی اِستعداد کے مطابق نقص سے کمال کی طرف، کمزوری سے قوّت کی طرف پہنچانے والا۔ تو جب وُہ مجھے مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے تو پھر میں خدا کیسے ہو سکتا ہوں۔ خدا تو وُہ ہے جو ہر نقص اور کمی سے پہلے ہی پاک اور منزّہ ہو۔ وُہ کسی کے پاک کرنے اور منزّہ کرنے کا محتاج نہیں ہوتا۔

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾

اس پر جنّت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار ۱۴۳

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ

بے شک کافر ہو گئے وُہ جنھوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے ۱۴۴ تین (خداؤں) سے ۔ اور نہیں ہے کوئی خدا

۱۴۳ یعنی اگر تم مجھے خدا سمجھو گے تو شرک کا ارتکاب کرو گے اور جو شرک کرتا ہے وُہ ظلمِ عظیم کرتا ہے اور اس روز ظالم کی امداد نہیں کی جائے گی ۔ اور میں بھی تم سے دست بردار ہو جاؤں گا ۔

۱۴۴ ۔ عقیدۂ تثلیث کی حقیقت کیا ہے ؟ عیسائیوں نے اسے کب اور کیوں اختیار کیا ؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی قول سے اس کی تائید ہوتی ہے ؟ کیا پہلی تین انجیلوں میں یہ عقیدہ موجود ہے ؟ جب تک ان سوالات کا تحقیقی جواب نہ دیا جائے نہ ہم قرآنِ حکیم کی ان آیات کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور نہ علیٰ وجہ البصیرت مسیحی عقائد کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں ۔ آیئے نہایت صبر و سکون اور متانت و سنجیدگی سے ان امور کی تحقیق کریں ۔

اس وقت میرے پیشِ نظر بائیبل کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (مطبوعہ ۱۹۶۲ء) ہے ۔ جو دُنیا بھر کے فضلاء اور محققین کی کاوشوں کا مجموعہ ہے ۔ اور جسے تمام علمی حلقوں میں مستند ترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے ۔ مسیحیت کے متعلق میں نے اس میں عیسائی علماء کے مضامین کا مطالعہ کیا ہے ان کے مطالعہ سے میں جن نتائج پر پہنچا ہوں وُہ ہدیۂ ناظرین ہیں ۔

مسیحیت (CHRISTIANITY) کے موضوع پر جارج ولیم ناکس (G.W.KNOX) اور سڈنی ہربرٹ میلون (S.H.MELLONE) نے مل کر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں وُہ رقمطراز ہیں :-

" مسیح نے خود بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی اصل کوئی ما فوق الفطرت چیز ہے بلکہ وُہ اس پر مطمئن تھے کہ انھیں مریم اور جوزف کے بیٹے کی حیثیت سے پہچانا جائے " ۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۵، صفحہ ۶۳۲)

اس خیال کی تائید میں انھوں نے مرقس کی انجیل باب ششم کی آیات نمبر ۳، ۴ کا حوالہ دیا ہے ۔ " کیا یہ وُہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی ہے ؟ اور کیا اس کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں نہیں ؟ پس انھوں نے اس کے سبب ٹھوکر کھائی ۔ یسوع نے ان سے کہا نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا ۔

یوحنا کی یہ آیت بھی زیرِ نظر رہے ۔ " پھر ان دو دنوں کے بعد وُہ وہاں سے روانہ ہو کر گلیل کو گیا کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا (۴ : ۴۳، ۴۴) لوقا کی یہ آیت بھی توجہ طلب ہے

" مگر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو " (۱۳ : ۳۳)

اناجیل کی اِن آیات اور سابقہ تصریح سے یہ امر واضح ہوگیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے ہمیشہ اپنے آپ کو مریم کا بیٹا کہلوایا اور اپنے نبی ہونے کا بار بار اعلان کیا اور کبھی بھی اپنے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا۔

(ان تصریحات سے اسی سُورہ کی آیت نمبر ۱۱٦ کی تصدیق بھی ہوگئی)

جب حقیقت یہ ہے تو پھر تثلیث (تین خدا) اور ابنیت کا نظریہ اس دین میں کیونکر گھُس آیا۔ اس کے متعلق بھی مذکورہ بالا فاضلوں کی یہ عبارت مُلاحظہ فرمائیے:۔

"باپ، بیٹا اور رُوح القدس کی اصطلاحات کو یہودی ذرائع نے مہیّا کیا۔ یسوع نے شاذ و نادر ہی آخری اِصطلاح استعمال کی ہو۔ (سینٹ) پال کے متعلق بھی یہ واضح نہیں کہ اس نے اسے استعمال کیا۔ چنانچہ تثلیث کا مواد یہودی ہے جسے یُونانی (فلسفہ کے) اثر و رسُوخ نے اِس قالب میں ڈھالا ہے"۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۵ صفحہ ۶۳۳۔

دینِ مسیحی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت جو چیز بڑی عجیب وغریب اور انوکھی معلوم ہوتی ہے وُہ یہ ہے کہ اس دین کے بُنیادی عقائد وُہ نہیں جو اس دین کے بانی حضرت مسیح علیہ السّلام نے بتائے ہیں یا جو انجیلوں میں مذکور ہیں بلکہ اس کے بنیادی عقائد وُہ ہیں جو پادریوں کی کونسلیں مختلف حالات میں مقرر کرتی رہی ہیں۔ اور یہ کونسلیں اِس امر کی مجاز ہیں کہ حضرت مسیح پر ایمان رکھنے والے اگر ان کے منظور کردہ عقائد سے اِنحراف کریں تو وُہ انھیں مُرتد قرار دے کر اس دین سے خارج کر دیں۔ ان کونسلوں کی داستان بڑی دلچسپ اور معلُومات افزا ہے۔

مجھے اب آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ جب تثلیث کا کوئی سراغ ہمیں یسُوع مسیح کے کلام میں نہیں ملتا اور انجیلوں کی آیات بھی مسیح کی ابنیت (بیٹا ہونا) کی بجائے ان کی نبوّت ثابت کر رہی ہیں تو پھر یہ مشرکانہ نظریہ کیسے اور کب نمودار ہُوا۔ اس کے متعلق بھی اِنسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے حقیقتِ حال پیش کرتا ہوں۔

قسطنطین کے تخت نشین ہونے سے پہلے عیسائیوں پر طرح طرح کے مظالم کیے جاتے تھے اور حکومتِ روم کی نگاہوں میں بھی یہ معتوب تھے لیکن یہ مذہب آہستہ آہستہ پھیلتا رہا اور تقویّت پکڑتا رہا۔ قسطنطین جب رومن امپائر کا فرمانروا بنا تو اس نے ۳۱۳ء میں میلان کے فرمانِ شاہی کے ذریعہ مذہبی آزادی کا اعلان کیا۔ اپنی سیاسی اغراض کی وجہ سے عیسائیوں پر عنایاتِ خسروانہ کی بارش شروع کر دی تاکہ ان کی کثیر آبادی کی ہمدردیاں اور وفاداریاں حاصل کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کرلے۔ اور ۳۳۷ء میں جب وُہ بسترِ مرگ پر دم توڑ رہا تھا تو اس نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اُسے بپتسمہ دیا گیا۔ یہ تو ان کے سیاسی حالات تھے لیکن اس سے پہلے تین صدیوں میں ان کے عقائد میں کیا کیا تبدیلیاں رُونما ہوچکی تھیں۔ اور قسطنطین کی سرپرستی میں ان میں کیا قطع وبُرید کی گئی۔ اس کے متعلق تاریخِ کلیسا (CHURCH HISTORY) کے عنوان پر چار مسیحی فضلاء نے جو لکھا ہے اس کا اقتباس پیشِ خدمت ہے:۔

"تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے یسُوع کو کلامِ الٰہی (LOGOS) کا مجسمہ تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن اس کی اُلوہیت کا عام طور پر انکار کیا جاتا تھا۔ اِس اثناء میں ایریس (ARIUS) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب وحیرت میں مُبتلا

کر دیا تھا اُس نے لوگوں کی توجہ کو اس مسئلہ کی طرف مبذول کیا۔ نیقیا (NICAEA) کی کونسل جو ۳۲۳ء میں منعقد ہوئی اس میں سرکاری طور پر یسُوع کی الوُہیّت کو تسلیم کر لیا گیا جسے باضابطہ طور پر مرتّب کرنے کے بعد (NICENE CREED) کا نام دیا گیا۔ تنازعہ کچھ عرصہ جاری رہا لیکن آخر کار مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اسی عقیدہ کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔ بیٹے کی الوُہیّت کے ساتھ رُوح القدس کی الوہیت بھی تسلیم کر لی گئی۔ نیقیا کے عقیدہ کی فتح نے تثلیث کو عیسائی مذہب کے صحیح عقائد کا جزوِ لاینفک بنا دیا۔ بیٹے کی الوہیت کا مظہر یسوع کو قرار دینے سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہوگئی جو چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ تک مابہ النزاع بنی رہی۔ وُہ یہ کہ یسُوع میں الوُہیّت اور انسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کالسیڈن (CHALCEDON) کی کونسل جو ۴۵۱ء میں منعقد ہوئی اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں الوُہیّت اور انسانیت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی امتزاج کے باوجود دونوں کی خصوصیات جُوں کی توں قائم ہیں قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو ۶۸۰ء میں منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ماہیّتوں کی الگ الگ مرضی اور مشیّت ہے۔ مسیح دونوں مشیّتوں کا مالک ہے مغربی کلیسا نے نیقیا، کالسیڈن اور قسطنطنیہ کے فیصلوں کو قبول کر لیا اور اس طرح تثلیث اور مسیح کے اندر دو مشیّتوں (خُدائی اور انسانی) کے وجُود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں نے بحیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ کے مان لیا۔" (انسائیکلوپیڈیا جلد ۵ صفحہ ۶۷۷-۷۸)

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ تثلیث و ابنیّت کے عقائد خُدا اور اس کے نبی کے بتائے ہُوئے عقائد نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں سال بعد انعقاد پذیر ہونے والی کونسلوں نے انھیں گھڑا اور عیسائیوں کے لیے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ قرآن کریم نے بارہا علماء اہل کتاب کے متعلق جو یہ اعلان فرمایا کہ وُہ اپنی طرف سے باتیں گھڑتے ہیں اور پھر اسے خُدا کی طرف اور اس کے پیغمبروں کی طرف منسُوب کر دیتے ہیں اس کا کتنا واضح ثبوت ان کی اپنی تاریخ نے فراہم کر دیا۔

لیکن یہ بحث تشنۂ تکمیل رہے گی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ نیقیا کی کونسل میں مسیح کی الوُہیّت کا جو افتراء باندھا گیا اس کے محرّکات کیا تھے؟ اور کیا اس کونسل میں شرکت کرنے والے سارے بشپ اس عقیدہ کو دل و جان سے تسلیم کرتے تھے یا نہیں؟

یہ بات سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کا سمجھنا لازمی ہے۔ قسطنطین کی حمایت و سرپرستی میں عیسائیت کو امن و سکوُن نصیب ہوا تو ان میں نظریاتی خانہ جنگی شروع ہوگئی جس کے باعث ان کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اور ان کی سیاسی قوّت زوال پذیر ہونے لگی۔ اس طرح قسطنطین نے جس خیال سے ان کی حمایت شروع کی تھی وُہ خواب پریشان ثابت ہونے لگا۔ چنانچہ اس داخلی انتشار کو دُور کرنے کے لیے اس نے نیقیا میں تمام عیسائی علماء کی کونسل طلب کی جس کے اجلاس ۲۰ مئی سے ۲۵ جولائی ۳۲۳ء تک جاری رہے۔ سب سے اہم مسئلہ جو زیر بحث آیا وُہ یہ تھا کہ یسُوع کا تعلق خدا سے کس نوعیت کا ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ اس کونسل کا داعی بھی قسطنطین تھا۔ اس کے جملہ مصارف بھی اس نے اپنی گرہ سے ادا کیے اور اس کے کئی اجلاسوں میں شرکت بھی کی اور ان کے فیصلوں کو اپنے شاہی اختیارات سے نافذ کیا اور جس نے ماننے سے انکار کیا اس کو سزائیں دیں۔ (انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ صفحہ ۵۸۸)

اس کونسل کے انعقاد کے محرکات اور پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد مسیح کی الوہیت کے متعلق جو قرارداد پاس کی گئی اب اس کے متعلق مسیحی فاضلوں کی آراء سنئیے :۔

"یہ درست ہے کہ کثرت آراء سے نیقیا کی کونسل میں اسکندریہ کے عقیدہ کو منظور کیا گیا لیکن یہ اتفاق قلبی یقین و ایمان سے رونپذیر نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شرکت کرنے والے پادریوں کی اکثریت غیر جانب دار تھی۔ انھیں اس سے کوئی ذاتی دلچسپی نہ تھی۔ دوسری وجہ شاہی اختیارات اور ان کا دباؤ تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے ہمارے پاس تاریخی شہادت موجود ہے وہ یہ کہ ایرئیس (ARIUS) کے خلاف یہ فیصلہ اگر پورے غور و فکر کے بعد کامل ایمان و یقین سے کیا گیا ہوتا تو پھر اس عقیدہ کے حق میں رائے دینے والے ایرئیس سے کبھی نرم برتاؤ نہ کرتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ عقیدہ فقط ان لوگوں کی طرف سے مسلط کیا گیا تھا جو اس کونسل کے بانی تھے (یعنی قسطنطین اور اس کے اعیان حکومت) ان حالات میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کثرت آراء قطعاً اس بات کا معیار نہیں کہ مسیح کی الوہیت کا جو عقیدہ اس کونسل میں منظور ہوا اس میں کونسل کے ارکان کا قلبی یقین بھی کارفرما تھا"

فاضل مقالہ نگار مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نیقیا کی کونسل کے متعلق اپنی نگارشات کا اختتام کرتا ہے :۔

"اس مصنوعی اور بناوٹی اتحاد سے جو عقیدہ گھڑا گیا تھا وہ امن برقرار رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اس نے ایسے جھگڑوں کے لیے راہ ہموار کر دی جن کے باعث مملکت کی بنیادیں لرز گئیں۔ نیقیا کے اس عقیدہ کے اعلان کے بعد لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ عقیدہ جو کلیسا نے فکر و تدبر کے بغیر اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا اس کی تشریح و توضیح کرتے وقت کلیسا کو ایسی مذہبی بحثوں میں الجھنا پڑا جن کا راستہ بڑا دشوار اور پرخار تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۶ صفحہ ۴۱۰)

ان تاریخی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ان آیات لقد کفر الذین قالوا الخ کو غور سے پڑھو۔ آفتاب حقانیت کی تابانیاں آپ کی چشم خرد کو روشن کر دیں گی اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ کی آیت نمبر ۴۸ میں قرآن کو سابقہ آسمانی کتب کے نگہبان (مھیمنا علیہ) کا جو لقب عطا فرمایا ہے۔ اس کی صداقت آشکارا ہو جائے گی۔

خدارا بتائیے کیا اس دین کو دین الٰہی کہنا بجا ہے جس کے بنیادی عقائد چند آدمیوں نے سیاسی دباؤ اور سیاسی اغراض کی خاطر صدہا سال بعد خود وضع کیے ہوں اور ان میں اپنے پیغمبر کے ارشادات سے واضح انحراف کیا گیا ہو۔ مسیحیت کو اس کی اپنی تاریخ کے آئینہ میں آپ نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں۔

إِلَّآ إِلَٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ

مگر ایک اللہ ۱۴۵ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنھوں نے

كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ۚ

کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾ مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ

اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے نہیں مسیح ابن مریم ۱۴۶ مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں

مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ

اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راست باز تھیں دونوں کھایا کرتے تھے کھانا دیکھو!

كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٧٥﴾ قُلْ

کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لیے دلیلیں پھر دیکھو وہ کیسے الٹے پھر رہے ہیں ۱۴۷ آپ فرمائیے

۱۴۵ یعنی اور کوئی خدا ہے ہی نہیں سوائے اس کے جو صفتِ وحدانیت سے متصف ہے۔ اس جملہ میں "ما" استغراق نفی کا فائدہ دیتا ہے یعنی کسی قسم کا تعدد نہیں نہ ذات میں نہ اعتبار میں۔ صرف وہی خدا ہے جو ہر طرح کی کامل وحدانیت اور یکتائی سے متصف ہے۔

۱۴۶ حضرت مسیح کی الوہیت کی نفی کرنے کے بعد بتایا کہ وہ ہیں کون؟ فرمایا وہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول آچکے ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور انسان تھے۔ نہ پہلے رسولوں میں سے کوئی خدا تھا نہ مسیح خدا ہیں اور اُن کی والدہ محترمہ مریم اللہ تعالیٰ کی ایک راست باز بندی ہیں۔ وہ دونوں ماں بیٹا اپنی زندگی کی بقا کے لیے دوسرے انسانوں کی طرح طعام کھایا کرتے تھے۔ جب اُنھیں کھانے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تو وہ بندے ہوئے خدا تو نہ ہوئے۔ اس آیت میں یہودیوں کی بھی تردید ہوگئی اور عیسائیوں کا بھی رد آگیا۔

۱۴۷ اے ناظرِ منصف! ان کے عقیدہ کے بطلان پر کتنے زبردست دلائل پیش کیے گئے ہیں لیکن وہ پھر بھی اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے باز نہیں آتے۔ اب اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج!

اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ

کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کا اور نہ نفع کا ۱۴۸ اور اللہ تعالیٰ

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے آپ فرمائیے اے اہل کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں

غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ

ناحق اور نہ پیروی کرو ۱۴۹ اس قوم کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور

اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہِ راست سے لعنت کیے گئے وہ جنھوں نے کفر کیا

مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے کہ

۱۴۸ حضرت صدرالافاضل مُرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔ "یہ ابطال شرک کی ایک اور دلیل ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ مستحق عبادت وہی ہو سکتا ہے جو نفع و ضرر وغیرہ ہر چیز پر ذاتی قدرت و اختیار رکھتا ہو جو ایسا نہ ہو وہ اللہ مستحق عبادت نہیں ہو سکتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفع و ضرر کے بالذات مالک نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مالک کرنے سے مالک ہوئے۔ تو ان کی نسبت الوہیت کا اعتقاد باطل ہے۔" (خزائن العرفان)

۱۴۹ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو فرماتے ہیں کہ افراط و تفریط سے کام لینا چھوڑ دو اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات پر اپنے عقائد کی بنیاد رکھو۔ تمہارے عقیدۂ تثلیث کو حضرت مسیح کی تعلیمات سے دُور کا واسطہ بھی نہیں۔ بلکہ تم نے دُوسری گم کردہ راہ قوموں کے مشرکانہ نظریات کو اپنانا شروع کر دیا ہے اپنے صاف سادہ عقیدۂ توحید کو یونانی اور رُومی فلسفہ کی بھینٹ چڑھا کر اس کو بالکل مسخ کر کے رکھ دیا چھوڑ دو اس خود ساختہ عقیدہ کو۔ اور حضرت مسیح کے سچّے دین کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝٧٨ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط

وُہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دوسرے کو اس برائی سے جو وُہ کرتے تھے ۱۵۰ے

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝٧٩ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط

بہت بُرا تھا جو وُہ کیا کرتے تھے آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے ۱۵۱ے کہ وُہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي

بہت ہی بُرا ہے جو آگے بھیجا ان کے لیے ان کے نفسوں نے یہ کہ ناراض ہو گیا اللہ تعالیٰ ان پر اور عذاب

الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝٨٠ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ

میں وُہ ہمیشہ رہیں گے اور اگر وُہ ۱۵۲ے ایمان لائے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور جو

۱۵۰ے تناہی کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ ا۔ تناہی بمعنی انتہی باز آجانا۔ رُک جانا یعنی جو اعمالِ بد وُہ کیا کرتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے۔ لاکھ سمجھاؤ سرکش گھوڑے کی طرح نافرمانی کی راہ پر سرپٹ دوڑے چلے جاتے تھے۔ ۲۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وُہ ایک دُوسرے کو بُرائی سے نہیں روکتے تھے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ ارشادِ گرامی بھی سُن لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہودیوں میں بے دینی کی ابتداء یُوں ہُوئی کہ جب کوئی آدمی کسی بدکار سے ملتا تو پہلے اُسے اللہ سے ڈراتا اور اس گناہ سے باز آجانے کی ترغیب دیتا۔ پھر دُوسرے روز اسی کے ساتھ بلا تأمّل کھاتا پیتا بیٹھتا اُٹھتا جب انھوں نے ایسا کرنا شروع کیا تو اُن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ نے آپس میں ٹکرا دیا۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی۔ لعن الذین الخ اس کے بعد فرمایا کلا واللہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنہ علی الحق اطرا ولتقصرنہ علی الحق قصرا اولیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض ولیلعنتکم کما لعنھم (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ۔ بخدا یا تو تم نیکی کا حکم دو گے، بُرائی سے منع کرو گے اور ظالم کے ہاتھ پکڑ لوگے اسے حق وانصاف کی طرف بزورِ دستی لوٹا دو گے اور اسے عدل کا جبراً پابند کرو گے ورنہ تمہارے دِلوں کو بھی اللہ تعالیٰ آپس میں ٹکرا دے گا۔ اور تم پر بھی ایسی پھٹکار ڈالے گا جیسے پہلے ان لوگوں پر ڈالی گئی۔

۱۵۱ے یعنی عجیب وغریب ہیں یہ لوگ خدا کی توحید کے مدعی اور انبیاء ورُسل کے پیروکار اور دوستی اُن سے جو کھلے بُت پرست ہیں۔

۱۵۲ے اگر وُہ اپنے دعویٔ ایمان میں سچّے ہوتے تو بھلا یہ ممکن تھا کہ وُہ مخلص اہل توحید کے خلاف مشرکوں اور بُت پرستوں

أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿٨١﴾
اتارا گیا اس پر تو نہ بناتے ان کو (اپنا) دوست لیکن اکثر ان میں سے فاسق ہیں

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ
ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو

وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّا نَصٰرٰى ۭ
اور پائیں گے آپ ۱۵۳ سب سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انھیں جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں

ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٨٢﴾
یہ اس لیے کہ ان میں عالم ۱۵۴ اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے

سے یارانے گانٹھتے۔

۱۵۳ یہود و مشرکین کی اذیّت رسانیوں اور اسلام دشمنیوں کے مقابلہ میں نصاریٰ کا رویّہ بہتر ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان عیسائیوں سے مُراد عام عیسائی نہیں بلکہ اُن کا وُہ مختصر گروہ مُراد ہے جو ان عقائد کا پابند تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے انھیں سکھائے تھے۔ اُنَاسٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ کَانُوْا عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ مِمَّا جَاءَ عِیْسٰی یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیُنْھُوْنَ اِلَیْهِ۔ (تفسیر ابن جریر) انھیں میں حق قبول کرنے کی صلاحیّت موجود تھی۔ ان کی نگاہوں میں ہی نُورِ ہدایت کو دیکھنے کی قوّت تھی۔

۱۵۴ قسیسین کا واحد قسّ اور قسیس ہے وَاَصْلُهٗ مِنْ قَسَّ اِذَا تَتَبَّعَ الشَّیْءَ فَطَلَبَهٗ۔ جب کوئی کسی چیز کا متلاشی ہو اور اس کے پیچھے پیچھے چلا جارہا ہو تو کہتے ہیں قس الشی۔ یہاں قسیسین سے مُراد ان کے علما ہیں ممکن ہے کہ یہ لفظ رُومی زبان کا ہو اور تعریب کے بعد لغتِ عرب میں استعمال کیا جانے لگا ہو۔ رھبان راھب کی جمع ہے۔ راہب اس عبادت گزار کو کہتے ہیں جو دُنیا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ خانقاہوں اور حجروں میں مصروف ذکر و فکر رہتا ہو۔ اَلرُّھْبَانِیَّةُ وَالتَّرَھُّبُ اَلتَّعَبُّدُ فِیْ صَوْمَعَةٍ۔ (قرطبی)

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ

اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنسوؤں سے ۱۵۵ اس لیے کہ پہچان لیا انھوں نے حق کو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ۱۵۶ پس

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ

تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں اور کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور جو آچکا ہے ہمارے پاس

الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾

حق حالانکہ ہم امید کرتے ہیں کہ داخل فرمائے ہمیں ہمارا رب نیک گروہ میں ۱۵۷

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

تو عطا فرمائے انھیں اللہ تعالیٰ نے بعوض اس قول کے باغات رواں ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی معاوضہ ہے نیکی کرنے والوں کا اور جنھوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ع ۱۱ ۹

اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو وہی دوزخی ہیں اے ایمان والو!

۱۵۵ جب آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو کر چھلک پڑیں تو عرب کہتے ہیں فَاضَتِ الْعَيْنُ۔ اسی سے تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ ماخوذ ہے۔

۱۵۶ شاہدین سے مراد امت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے اس آیت سے ابن جریر کے قول کی مزید تائید ہوتی ہے کہ یہاں نصاریٰ سے مراد وہ مخصوص گروہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا پابند تھا۔ اور عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتا تھا اور جب حق اور ہدایت کی روشنی حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں دیکھی تو فوراً ایمان لے آیا۔

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نہ حرام کرو ۱۵۸ پاکیزہ چیزوں کو جنھیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۸۷ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ص

نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو اور کھاؤ اس سے جو ۱۵۹ رزق دیا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ نے حلال (اور) پاکیزہ

۱۵۷ معلوم ہوا کہ نیک اور صالح لوگوں کی سنگت بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

۱۵۸ چند جلیل القدر صحابہ جن میں حضرت صدیق و علی رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے حضرت عثمان بن مظعون کے گھر میں جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ وُہ ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے، ساری رات عبادت میں گزاریں گے۔ بستروں پر نہیں سوئیں گے۔ گوشت، گھی وغیرہ نہیں کھائیں گے۔ عورتوں اور خوشبو سے بالکل اجتناب کریں گے۔ اُونی لباس پہنیں گے اور دُنیا سے قطع تعلق کرلیں گے۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اطلاع ملی تو حضورؐ نے انھیں بُلا کر حقیقت افروز ارشاد فرمایا:۔ مجھے ان باتوں کا حکم نہیں دیا گیا۔ اِنَّ لِاَنْفُسِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَصُوْمُوْا وَاَفْطِرُوْا وَقُوْمُوْا وَنَامُوْا فَاِنِّيْ اَقُوْمُ وَاَنَامُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاٰكُلُ اللَّحْمَ وَالدَّسَمَ وَاٰتِي النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۔ (کشّاف وغیرہ)

اَے میرے صحابہ! تمھارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے اس لیے روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ راتوں میں جاگ کر عبادت بھی کرو اور آرام سے سوؤ بھی۔ کیونکہ میں رات کو جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہُوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہُوں۔ گوشت اور گھی بھی کھاتا ہوں۔ اور اپنی ازواج سے بھی مقاربت کرتا ہوں (یہ میرا طریق کار اور سنت ہے) جس نے میری سُنّت سے مُنہ موڑا وُہ میری جماعت سے نہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو یہودیوں کی طرح لذّاتِ دُنیا میں کھو جاؤ اور نہ مسیحی راہبوں کی طرح دُنیا کی حلال لذّتوں کو اپنے اُوپر حرام کر دو بلکہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ یہی دینِ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس آیت میں لاتحرموا کا معنی یہ ہے کہ نہ تو یہ اعتقاد رکھو کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور نہ زبان سے ایسا کہو اور نہ ان کے استعمال کو اس طرح ترک کر دو جیسے حرام چیز کو ترک کیا جاتا ہے۔ اولیاءِ کرام نفسِ سرکش کی سرکوبی کے لیے بعض حلال چیزوں کو استعمال نہیں کرتے تو وُہ ان کی حرمت کے قائل نہیں ہوتے۔ بلکہ جس طرح جسمانی طبیب بعض اشیاء کو صحت جسمانی کے لیے مضر خیال کر کے مریض کو ان کے استعمال سے روک دیتا ہے اسی طرح یہ رُوحانی معالج بعض رُوحانی مفاسد کے پیشِ نظر بعض چیزوں سے وقتی طور پر اجتناب کرتے ہیں لیکن اگر کوئی جاہل اللہ تعالیٰ کی کسی حلال کردہ چیز کو اعتقادی یا قولی طور پر حرام جانے تو یہ باطل ہے اور گمراہی ہے۔

۱۵۹ اکل سے مُراد کھانا ہی نہیں بلکہ اکل بمعنی تمتع ہے یعنی فائدہ اٹھانا، استعمال کرنا خواہ کھانے، پینے، پہننے کی صورت

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان لاتے ہو نہ بازپرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ

بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ

تمہاری فضول قسموں پر ۱۶۰ لیکن بازپرس کرے گا تم سے اُن قسموں پر جن کو تم پختہ کرچکے ہو

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

تو اس (کے توڑنے) کا ۱۶۱ کفّارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے

اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ

گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انھیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے (ان میں سے کوئی چیز) تو وہ روزے

ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْۤا

رکھے تین دن یہ کفّارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم اُٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو

میں ہو یا سواری وغیرہ کرنے کی شکل میں ۔ اَلْاَكْلُ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ عِبَارَةٌ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالْاَكْلِ وَ الشُّرْبِ وَاللِّبَاسِ وَالرُّكُوْبِ وَ غَیْرِ ذٰلِكَ ۔

۱۶۰ ایمان جمع ہے یمین کی ۔ اور یہ یمن بمعنی برکت سے ماخوذ ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ قسم سے بھی حقوق محفوظ ہوتے ہیں معاہدے پُورے کیے جاتے ہیں اس لیے اسے یمین (برکت والی چیز) کہہ دیا گیا ۔ یمین لغو وہ ہے جس میں قسم اٹھانے کی نیّت نہیں ہوتی بلکہ اثناء کلام میں واللہ باللہ کے الفاظ بلا سوچے سمجھے منہ سے نکل جاتے ہیں ۔ ایسی قسم کا کوئی کفّارہ نہیں لیکن وُہ قسمیں جو نیّت اور اِرادہ سے اُٹھائی گئی ہوں اور پھر اُنھیں پُورا نہ کیا جائے تو اس قسم کو توڑنے پر بازپرس ہوگی اور کفّارہ دینا پڑے گا ۔

۱۶۱ کفّارہ کی تین صُورتیں ہیں ۔ (۱) دس آدمیوں کو کھانا کھلادے (۲) یا اُنھیں کپڑے پہنادے جن سے ان کے جسم کا اکثر حصّہ ڈھک جائے مثلاً چادر اور کرتہ یا چادر اور صافہ (۳) یا غلام آزاد کرے ۔ اور اگر ان تینوں صُورتوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہیں رکھتا تو پھر تین دن لگاتار روزہ رکھے ۔

اَیۡمَانِکُمۡ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۸۹﴾

اپنی قسموں کی ۱۶۲؎ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم شکریہ ادا کرو ۱۶۳؎

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَ الۡمَیۡسِرُ وَ الۡاَنۡصَابُ وَ الۡاَزۡلَامُ

اے ایمان والو! ۱۶۴؎ یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر ۱۶۵؎

۱۶۲؎ یعنی اپنی قسموں کو مذاق نہ بنالو کہ ادھر قسم اُٹھائی اُدھر توڑ دی۔ بلکہ جب قسم اُٹھاؤ تو اُس کی پُوری طرح پابندی کرو اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ زیادہ قسمیں نہ اٹھایا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ان کی پابندی نہ کر سکو اور ان کو توڑنے پر مجبور ہو جاؤ۔

۱۶۳؎ پاک اور حلال لذّتوں سے لُطف اندوز ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ قسم توڑنے کی صُورت میں کفّارہ کا آسان طریقہ بتایا۔ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی انعامات اور احسانات کا غیر منقطع سلسلہ جاری ہے جس پر شکر بجا لانا ہم پر واجب ہے۔

۱۶۴؎ عرب میں شراب کا عام رواج تھا۔ گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب اس کے متوالے تھے شراب جو اَن گنت جسمانی اور رُوحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ و فساد کی علّت ہے اسلام کے پاکیزہ نظامِ حیات میں اس کی کیوں کر گنجائش ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قطعی حرام کر دیا لیکن حرمت کا حکم آہستہ آہستہ اور تدریجاً نازل ہوا تاکہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں تو اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ فِیۡہِمَاۤ اِثۡمٌ کَبِیۡرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡتُمۡ سُکٰرٰی۔ کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ آیات اس آخری حکم کا پیش خیمہ تھیں۔ اگرچہ شراب کی حُرمت کا صراحۃً ان میں ذکر نہ تھا لیکن کئی سلیم طبیعتوں نے اُس وقت ہی شراب چھوڑ دی تھی۔ حضرت فارُوقِ اعظم رضی اللہ عنہ بارگاہِ الٰہی میں اس کی قطعی حرمت کے لیے التجائیں کیا کرتے۔ عرض کرتے۔ اَللّٰھُمَّ بَیِّنۡ لَنَا بَیَانًا شَافِیًا۔ اس اثنا میں چند ایسے واقعات بھی رُونما ہوئے جس سے شراب پینے کے مفاسد اور نقصانات کا صحابہ کرام کو زیادہ سے زیادہ احساس ہونے لگا۔ جب ایمان پختہ ہو گئے تعلیماتِ اسلامیہ قلب و رُوح کی گہرائیوں میں بس گئیں اور اللہ اور اس کے رسُول کے ہر حکم کے سامنے تسلیم خم کرنے کی عادت فطرت بن گئی تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ایک خادم کو حکم دیا کہ مدینہ کے گلی کوچوں میں پھر کر بلند آواز سے ان آیات کا اعلان کرے۔ جب وُہ منادی کرنے والا اعلان کرنے نکلا تو کئی جگہ شراب کی محفلیں آراستہ تھیں میخوار جمع تھے۔ پیمانے گردش میں تھے۔ جُونہی کان میں ھَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَھُوۡنَ کی آواز پہنچی ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیالے زمین پر پٹخ دیئے گئے۔ ہونٹوں سے لگے ہوئے جام خود بخود

الگ ہو گئے۔ جام وسبو توڑ دیئے گئے مشکوں اور مٹکوں میں بھری ہوئی مئے ناب انڈیل دی گئی۔ وُہ چیز جو انھیں از حد عزیز تھی اب گندے پانی کی طرح گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے بعد کسی صحابی نے شراب پینے کی خواہش کا اظہار تک نہ کیا۔ قرآن کی اثر آفرینی، حضورؐ کے فیضِ تربیت، صحابہ کرام کی کامل ترین اطاعت و فرمانبرداری اور اسلام کی انقلاب آفرین قوت کا یہ وُہ عدیم النظیر مظاہرہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔ شراب کے زہریلے اثرات دیکھ کر یورپ وامریکہ کے ڈاکٹر اور دانشور لرزہ براندام ہیں۔ اِس مصیبت سے اپنی قوم کو چھٹکارا دلانے کے لیے بڑی بڑی مخلصانہ اور حکیمانہ کوششیں کی جارہی ہیں۔ حکومتِ امریکہ نے پُورے چودہ سال تک شراب کے خلاف زور شور سے جہاد جاری رکھا۔ اور اس جہاد میں نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے جدید ترین اور قوی ترین وسائل اختیار کیے اخبارات، رسالے، لیکچرز، تصاویر اور فلمیں سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے برسرِ پیکار رہے۔ اِس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً چھ کروڑ ڈالر (ساٹھ کروڑ روپیہ) خرچ کیا۔ پچیس کروڑ پونڈ کا خسارہ برداشت کیا۔ تین سو افراد کو تختۂ دار پر لٹکا یا گیا۔ پانچ لاکھ سے زیادہ اشخاص کو قید و بند کی سزائیں دیں۔ بھاری جرمانے کیے۔ بڑی بڑی جائدادیں ضبط کی گئیں لیکن یہ ساری چیزیں بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر کار حکومت کو اپنی شکست فاش کا اعتراف کرنا پڑا اور اس نے شراب نوشی جس کے خلاف عرصہ دراز تک وُہ معرکہ آرا رہی تھی کو ۱۹۳۳ء میں قانوناً جائز قرار دے دیا۔" (ماخوذ از ماذا خسر العالم)

والمیسر الخ۔ اِسی طرح برطانیہ میں جو اس پر برائے نام پابندی تھی اسے بھی ۱۹۶۱ء میں واپس لے لیا گیا۔ اور اس کی بیخ کنی کے لیے ساری مساعی کے ناکام ہو جانے کے بعد اسے بھی قانونی طور پر سندِ جواز مل گئی۔ (ریڈرز ڈائجسٹ مئی ۱۹۶۴ء)

لیکن سب بے فائدہ، سب بے اثر! یہ اِسلام کی قوتِ قاہرہ تھی جس نے اپنے ایک فرمان سے ساری قوم کو اِس بلائے بے درماں سے رہائی دلا دی۔

۱۶۵۔ یہاں چار چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ خمر، میسر، انصاب اور ازلام۔ اگرچہ ان کے متعلق توضیحی نوٹ گزر چکے ہیں لیکن مختصراً یہاں بھی کچھ عرض کرنا مناسب ہے۔ خمر: كُلُّ شَرَابٍ مُسْكِرٍ وَهٰذِهِ التَّسْمِيَةُ لُغَوِيَّةٌ وَّشَرْعِيَّةٌ ہر مدہوش کر دینے والی شراب کو خمر کہتے ہیں۔ عصیرِ عنب سے اس کی تخصیص تعسف ہے کیونکہ مدینہ طیبہ میں جو شراب استعمال ہوتی تھی وُہ انگور، گندم، جَو، کھجور اور شہد سے کشید ہوا کرتی تھی۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کسی صحابی نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ صرف انگوری شراب ہی حرام ہے حالانکہ وُہ اہلِ زبان تھے۔ میسر: مطلقاً جوا کو کہتے ہیں خواہ اس کی صُورت کیسی ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اَلشَّطْرَنْجُ مِنَ الْمَيْسِرِ کہ شطرنج بھی جوا ہے۔ انصاب: ان پتھروں کو انصاب کہا جاتا تھا جو حرم میں کعبہ کے اِرد گرد نصب تھے اور کفار ان کے لیے جانور ذبح کرتے اور ان کا خون ان پتھروں پر مل دیتے۔ ازلام: وُہ تیر جن کے ذریعہ فالیں نکالی جاتی تھیں نیز وُہ تیر جن کے ساتھ جوا

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٩٠ اِنَّمَا

سب ناپاک ہیں ۱۶۶ شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ یہی تو

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ

چاہتا ہے شیطان ۱۶۷ کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب

کھیلا جاتا تھا۔ اس آیت میں مقصود تو شراب اور جوا کی حُرمتِ قطعی بیان کرنا ہے لیکن انصاب اور ازلام کو ان کے ساتھ ذِکر کر کے ان کی قباحت کو اور زیادہ عیاں کر دیا۔ چنانچہ حضرت فارُوقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اَے شراب! تیرا ذِکر تو جُوئے اَور انصاب و ازلام کے ساتھ مِلا کر کیا گیا ہے بُعْدًا لَّكَ وَسُحْقًا! تیرا ستیاناس ہو۔ تیرا خانہ خراب ہو۔

۱۶۶ بدبُودار، غلیظ اَور گندی چیز کو رِجس کہتے ہیں۔ يُقَالُ لِلنَّتْنِ وَالْعَذِرَةِ وَالْاَقْذَارِ رِجْسٌ (قرطبی) مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہہ کر یہ بتایا کہ یہ چیزیں اِتنی غلیظ اور ناپاک ہیں کہ کوئی سلیمُ الفطرت اِنسان ازخود ان کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ صرف شیطان کی وسوسہ اندازی ہی اسے ان قبیح حرکات کے اِرتکاب کی رغبت دِلا سکتی ہے۔

۱۶۷ شراب اَور جوا کو حرام کرنے کی حِکمت بیان فرمائی جا رہی ہے۔ اگرچہ ان کی خرابیاں بے حد و بے شمار ہیں اور وُہ قومیں جو اس کو شیرِ مادر سمجھ کر پیا کرتی ہیں وُہ بھی اگرچہ اس کو چھوڑ دینے سے عاجز ہیں لیکن اِن خرابیوں اَور نقصانات کا برملا اِعتراف کرتی ہیں۔ قرآنِ کریم نے مختصر سے الفاظ میں ان کی دو مُضر ترین خرابیوں کا ذِکر کر کے ان کی قباحت کو روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا۔ بتایا کہ شراب اور جوا کی حُرمت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے عداوت اَور دُشمنی کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ گہرے دوست ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے، سگے بھائی ایک دُوسرے کے دُشمن بن جاتے ہیں۔ اور دُوسری وجہ یہ ہے کہ اِنسان نماز اَور یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اَور بدنصیبی اَور محرُومی کیا ہو سکتی ہے کہ مؤذّن اللہ کے حضور میں شرفِ باریابی حاصل کرنے کی دعوت دے رہا ہو اَور کوئی اس وقت شراب کے نشہ میں مدہوش پڑا ہو یا جوا کی بازی جیتنے میں یوں کھویا ہوا ہو کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ رحمت کی گھڑی آئی بھی اور گزر بھی گئی۔ اور جب شراب اور جوا کی حُرمت کی یہ وجہ ہے کہ وُہ یادِ خدا سے غفلت کا سبب بنتے ہیں تو شطرنج اور تاش وغیرہ جب اپنے کھیلنے والوں کو اِتنا منہمک کر دیں کہ نماز کی ہوش تک نہ رہے تو یہ کیوں حرام نہ ہوں گے فَاِنْ كَانَتِ الْخَمْرُ اِنَّمَا حُرِّمَتْ لِاَنَّهَا تُسْكِرُ فَتَصُدُّ بِالْاِسْكَارِ عَنِ الصَّلٰوةِ فَلْيُحَرَّمِ النَّرْدُ وَالشَّطْرَنْجُ لِاَنَّهٗ يُغَفِّلُ وَيُلْهِيْ فَيَصُدُّ بِذٰلِكَ عَنِ الصَّلٰوةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (قرطبی)

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمھیں یادِ الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی ۱۶۸ اور محتاط رہو اور اگر تم نے رُوگردانی کی تو خوب جان لو

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو)۔ نہیں ان لوگوں پر ۱۶۹ جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَ

نیک عمل کیے کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وہ کھا پی چکے جب کہ وہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور

۱۶۸؎ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ مکرّم کی اطاعت کی پھر تاکید کر دی گئی اور نافرمانی سے روک دیا گیا تاکہ کوئی شخص کسی تاویل سے اس کی نافرمانی کی جرأت نہ کر سکے۔

۱۶۹؎ جب شراب و جوا کی حُرمت کے احکام نازل ہُوئے تو بعض صحابہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہمارے وُہ مُسلمان بھائی جو اس حکم سے پہلے انتقال کر گئے اور مختلف جنگوں میں شہادت پائی حالانکہ وُہ شراب پیا کرتے تھے ان کا کیا بنے گا؟ تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت میں اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا۔ اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا۔ اور اِتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا کے الفاظ کا تکرار بہت غور طلب اور معنی خیز ہے۔ علامہ بیضاوی ؒ فرماتے ہیں کہ ان مکرّر الفاظ سے صحابہ کرام کی تین حالتوں یا ان کے تین مقامات کا ذِکر کیا جا رہا ہے۔ پہلے اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا سے ان کے تقویٰ و ایمان کی اس حالت کا بیان ہے جس کا تعلق ان کے اپنے قلب و رُوح کے ساتھ ہے۔ دُوسرے وَاتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا سے اُن کے تقویٰ و ایمان کی اُس کیفیّت کا ذکر ہے جو اُن کے اور دُوسرے لوگوں کے درمیان تھی۔ اور آخری اِتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا سے تقویٰ و احسان کی اُس حالت کی طرف اِشارہ ہے جو اُن کے اور ان کے رب کے درمیان تھی۔ یا پہلے ان کے اِبتدائی مقام کی طرف اِشارہ ہے۔ پھر ان کی درمیانی حالت کی طرف اور آخر میں ان کی اعلیٰ ترین کیفیّت کی طرف جب کہ عابد و معبود، ساجد و مسجود میں دُوری کے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور نعمتِ مشاہدہ سے دِل کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اسی لیے آخر میں وَاتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا فرمایا جب کہ انسان مقامِ اِحسان پر فائز ہوتا ہے۔ اور اِحسان کا مفہوم حضورؐ نے فرمایا۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ یعنی اِحسان اس کیفیّت کو کہتے ہیں جب کہ تُو

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ

نیک عمل کیا کرتے تھے پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے ہیں اور (جو اترا) اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں اور اچھے کام کرتے

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ

ہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ۱۷۰ اچھے کام کرنے والوں سے۔ اے ایمان والو! ضرور آزمائے گا تمھیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ

الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ

شکار سے ۱۷۱ پہنچ سکتے ہیں جس تک تمھارے ہاتھ اور تمھارے نیزے ۱۷۲ تاکہ پہچان کرا دے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۹۴﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

بن دیکھے پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس (تنبیہ) کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے اے ایمان والو!

لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

نہ مارو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر ۱۷۳

اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے یا حالتِ عبادت میں تم یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

۱۷۰ یعنی وہ صحابہ کرام تقویٰ اور ایمان کی منزلیں طے کرتے کرتے جب مقامِ احسان پر فائز ہو گئے تو وہ خداوندِ عالم کے محبوب بن گئے۔ اب اُن سے ایسی چیزوں کی پرسش نہ ہو گی جن کی حرمت کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔

۱۷۱ عرب کے بادیہ نشین جانوروں اور پرندوں کا شکار کر کے گزر اوقات کیا کرتے تھے احرام کی حالت میں ان کا شکار سے باز رہنا کچھ کم صبر آزما نہ تھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ قدم قدم پر ہرنوں کی ٹولیاں اور پرندوں کے جھرمٹ دلوں کو للچا رہے ہوں۔ اس کی حقیقت کسی شکاری سے پوچھئے جس کے سامنے سے ہرنوں اور نیل گاؤں کا غول گزر رہا ہو اور وہ اُنھیں آسانی سے نشانہ بھی بنا سکتا ہو اور اس وقت اسے شکار کرنے سے روک دیا جائے تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اس حکم سے مسلمانوں کا امتحان لیا جا رہا ہے کہ جب تم احرام باندھ لو تو کسی جانور یا پرندے کو شکار نہ کرو۔

۱۷۲ اس میں رسیاں، جال، تیر، بندوق، شکاری کتے غرضیکہ شکار کا ہر ذریعہ داخل ہے۔

۱۷۳ اگر کسی نے شکار پکڑ لیا تو اسے چھوڑ دے اور اگر اُسے مار ڈالا تو پھر اس کی سزا یہ ہے کہ اس طرح کا ایک جانور جس کی قیمت دو معتبر آدمیوں کے فیصلہ کے مطابق اس شکار کردہ جانور کے برابر ہو خریدے اور مکہ میں لا کر اسے ذبح کرے

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

تو اُس کی جزا یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے

هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

دراں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفّارہ ادا کرے وُہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ

تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی ۔ معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا اور جو (اب) پھر گیا تو انتقام لے گا

اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ

اللہ تعالیٰ اس سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے حلال کیا گیا ہے تمھارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

فائدہ اُٹھاؤ تم اور دُوسرے قافلے اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم

حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ

احرام باندھے ہوئے ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کیے جاؤ گے بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ۱۷۴

یا اس جانور کی قیمت کا غلّہ لے کر غریبوں میں تقسیم کر دے یا جتنے غریبوں میں صدقۂ فطر کی مقدار سے وُہ غلّہ تقسیم ہو سکتا ہے اتنے روزے رکھے۔ احناف کے نزدیک قیمت میں مماثلت کافی ہے اور امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شکل وصورت اور قدوقامت میں بھی مماثلت ضروری ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے سانپ، بچھو، چوہا، کوّا اور حداۃ کو مارنے کی اجازت فرمائی ہے۔

۱۷۴ے مکعب نما ہونے کی وجہ سے اس گھر کو کعبہ کہا گیا۔ حدود حرم میں شکار کی ممانعت کرنے کے بعد اب بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح کعبہ اور اس کی حدود جانوروں کے لیے امن گاہ ہیں اسی طرح کعبہ انسانوں کے حفظ و بقا کا بھی سبب ہے۔ قیام اصل میں قوام تھا واؤ کا ماقبل مکسور تھا اس لیے اسے یاء سے بدل دیا گیا۔ وَالْمُرَادُ بِهٖ مَا يَقُوْمُ بِهٖ اَمْرُ النَّاسِ (المنار) کعبۂ مقدسہ تکوینی اور تشریعی دونوں لحاظ سے لوگوں کے حفظ و بقا کا ذریعہ ہے۔ تکوینی لحاظ سے تو اس طرح کہ

الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ

جو عزّت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لیے نیز حُرمت والے مہینوں کو ۱۷۵ اور حرم کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ

ہوئے جانوروں کو تاکہ تم خوب جان لو ۱۷۶ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے اور

اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی عزّت وعظمت لوگوں کے دِلوں میں ایسی مستحکم کر دی ہے کہ اُس زمانہ میں جب کہ جزیرۂ عرب میں کوئی حکومت نہ تھی، کوئی قانون نہ تھا، کوئی دین نہ تھا اور قتل وغارت کی گرم بازاری تھی اُس وقت بھی یہاں کوئی کسی کو چھیڑتا نہیں تھا۔ باپ کا قاتل بھی اگر وہاں آجاتا تو اس کی طرف بھی بُری نظر سے نہ دیکھا جاتا۔ باوجود اس کے کہ گرد ونواح کا علاقہ سب صحرا اور ریگستان تھا لیکن تجارتی قافلوں کی یہی منڈی تھی۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ یہاں ہی جمع ہوتے اور کاروبار کرتے۔ یہ گویا حضرت ابراہیم کی اس دُعا کی برکت تھی۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ۔ اور تشریعی طور پر اس طرح کہ حج وعمرہ کی عبادات یہاں ہی ادا کی جاتی ہیں۔ ہر مسلمان دُنیا کے کسی گوشہ میں ہو نماز کے وقت کعبہ کی طرف ہی رُخ کر کے کھڑا ہوتا ہے۔ حج کے موقع پر دُنیا کے کونہ کونہ سے کلمہ گو کھچے چلے آتے ہیں۔ علاّمہ عثمانی نے یہاں خوب لکھا ہے فرماتے ہیں "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علمِ الٰہی میں پہلے ہی مقدّر ہو چکا تھا کہ نوعِ انسانی کے لیے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدائیت کا چشمہ پھوٹے گا اور مصلحِ اعظم اور سیّد کائنات محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مولد ومسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاکِ پاک کو حاصل ہوگا"۔

۱۷۵ حرمت والے مہینے بھی لوگوں کے حفظ وبقا کا سبب تھے۔ کیوں کہ انھیں چار مہینوں میں تجارتی قافلے بے خوف وخطر اِدھر اُدھر جا سکتے تھے۔ لوگ مطمئن ہو کر اپنے مقاصد کے لیے دُور دراز کے سفر کر سکتے تھے۔ خوف وہراس کے بادل جو ہر وقت اُفق پر منڈلاتے رہتے تھے وُہ بھی اِن مہینوں میں چھٹ جاتے تھے۔ اِنھیں دنوں میں لوگ حج وعمرہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہو سکتے تھے۔ اِنہی وجوہ کے پیشِ نظر اِن حرمت والے مہینوں کو بھی قِيٰمًا لِّلنَّاسِ فرمایا گیا۔

۱۷۶ اِن چیزوں کو لوگوں کی حفظ وبقا کا باعث بنا دینا اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کی دلیل ہے۔ کیونکہ عرب لُوٹ مار کے عادی تھے۔ حکومت اور قانون وہاں موجود نہ تھا۔ اگر کعبہ اور حُرمت والے مہینے بھی نہ ہوتے تو وہاں کی حالت اور خستہ ہوتی

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

اللہ تعالیٰ غفور رحیم (بھی) ہے نہیں (ہمارے) رسول پر ١٧٧ کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ جانتا ہے

وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ

جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو۔ آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک ١٧٨ اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے

الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع يٰۤاَيُّهَا ١٣ ع ٣

ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اے عقل والو! تاکہ تم نجات پا جاؤ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ

ایمان والو! ١٧٩ مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لیے تو بُری لگیں تمہیں اور اگر

١٧٧ یعنی میرے رسُول کا کام یہ ہے کہ تمہیں میرے احکام پہنچا دے اَور خوب کھول کر سمجھا دے اور وُہ فرض اُس نے بہ ہزار حسُن وخوبی انجام دے دیا۔ اب اگر تم ان کی تعمیل میں کوتاہی کرو گے تو اس کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔

١٧٨ اللہ تعالیٰ اپنے محبُوبِ کریم کو ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اپنی اُمّت کو بتا دیجئے کہ کفّار کی جاہ وحشمت، مال و دولت اَور تعداد کی کثرت اَور اپنی غربت اور کمزوری کو دیکھ کر پریشان نہ ہُوا کریں کیونکہ خبیث اور طیّب ایک ایسے نہیں ہو سکتے وُہ پلید ہیں تم پاک ہو۔ خبیث اور طیّب سے مُراد حرام اور حلال، کافر اور مومن، عاصی اور مطیع سب ہو سکتے ہیں۔

١٧٩ بعض لوگ حضورِ کریم سے عجیب وغریب قسم کے سوالات پوچھا کرتے تھے۔ جن میں کوئی دینی اور دُنیوی فائدہ نہیں ہُوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضور اِن سوالات سے کبیدہ خاطر ہُوئے اور ایک روز منبر پر تشریف فرما ہو کر ارشاد فرمایا۔ لَا تَسْأَلُوْنِى الْيَوْمَ عَنْ شَىْءٍ اِلَّا بَيَّنْتُهٗ لَكُمْ۔ آج تم جس چیز کے متعلّق مجھ سے دریافت کرو گے وُہ میں تمہیں بتاؤں گا۔ سب صحابہ کرام کے سر جُھکے ہُوئے تھے اور زار وقطار رو رہے تھے اور کسی میں ہمّت نہ تھی کہ کوئی بات کر سکے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن حذافہ جن کی نسب کے متعلق لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے اُٹھے اور عرض کی مَنْ اَبِىْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ میرا باپ کون ہے۔ حضورؐ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے کیا پتہ۔ مجھ سے تو کوئی فقہ کا مسئلہ دریافت کرو بلکہ اپنے خُداداد وسیع علم کا اظہار فرماتے ہُوئے جواب دیا کہ اَبُوْكَ حُذَافَةُ۔ تیرا باپ حذافہ ہے۔ ان کی والدہ اپنے لڑکے کے اس سوال پر کانپ اُٹھیں اور کہنے لگیں۔ اَے عبداللہ! تجھ سے زیادہ نافرمان بھی کسی کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ تُو تو مجھے بر سرِ مجلس رُسوا کرنا چاہتا تھا۔ حضرت عبداللہ کو اپنے محبُوب نبیؐ کے علمِ خُداداد پر اِتنا اعتماد تھا کہ فرمایا۔ اگر حضورؐ مجھے

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ

پُوچھوگے ان کے متعلق جب کہ اُتر رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لیے معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو۔ اور اللہ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا

بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے تحقیق پُوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہوگئے ان احکام کا

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّ

انکار کرنے والے نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے ۱۸۰ بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور

کسی حبشی غلام کا بیٹا کہہ دیتے تو مجھے انکار نہ ہوتا۔ اسی طرح بعض لوگ بال کی کھال نکالنے کے عادی تھے۔ حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہر سال ؟ حضورؐ خاموش رہے۔ اس نے مکرّر سہ کرر اپنا سوال دُہرایا۔ حضورؐ نے فرمایا، نہیں۔ اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ کیونکہ اس قسم کے سوالات مفید ہونے کے بجائے تکلیف اور مشقت کا باعث بن سکتے تھے اس لیے ان سے منع فرما دیا۔ حضورؐ کا یہ ارشادِ گرامی بھی پیشِ نظر رہے۔ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرض مقرر کیے ہیں ان کو ضائع نہ کرو۔ بعض چیزوں کو حرام کر دیا ہے ان کی پردہ دری نہ کرو۔ اور بعض حدیں مقرر کر دی ہیں اُن کو مت توڑو۔ اور بعض چیزوں کے متعلق دانستہ سکوت فرمایا ہے ان کے متعلق بحث نہ کرو۔

۱۸۰ے کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس کے اِذن سے اس کے رسولؐ کو۔ اگر کوئی شخص اللہ اور رسولؐ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہوئی چیز کو حلال کرتا ہے تو وہ تشریع اور قانون سازی کا حق اپنے ہاتھ میں لے رہا ہے اور حقوقِ ربّانی میں مداخلت کرنے کا مجرم بن رہا ہے۔ اس آیت میں کفّار کی ایسی مداخلت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ کہ جن جانوروں کا گوشت اور دُودھ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا، اُن سے خدمت لینے، ان پر سواری کرنے، بوجھ لادنے کی اجازت بخشی، یہ کفّار اپنی من گھڑت تجویزوں سے ان کو اپنے اُوپر حرام کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہوتا ہے۔ جن جانوروں کو مشرکین اپنے اُوپر مختلف طریقوں سے حرام کر دیا کرتے تھے اُن کے نام مع تشریح درج ذیل ہیں:۔

۱۔ بحیرہ۔ اس کا لغوی معنی ہے کان چرا۔ وہ اُونٹنی جو پانچ بچے جنتی اور آخری بچہ نر ہوتا تو کان چیر کر اُسے چھوڑ دیتے۔ اس پر سواری کرنا، اس کا گوشت سب اپنے اُوپر حرام خیال کر لیتے۔

لَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ

نہ حام لیکن جنھوں نے کفر کیا وُہ تہمت لگاتے ہیں ۱۸۱؎ اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور جب کہا جاتا ہے انھیں کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور آؤ اس کے رسُول

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

کی طرف کہتے ہیں کافی ہے ہمیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو ۱۸۲؎ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں ۱۸۳؎

۲۔ سائبۃ۔ اگر کوئی آدمی سفر پر جاتا یا بیمار ہوتا تو وُہ نذر مانتا کہ اگر میں خیریت سے گھر پہنچ گیا یا اس بیماری سے صحتیاب ہو گیا تو میری یہ اُونٹنی سائبہ ہوگی۔ اور اس کا دُودھ، گوشت اور اس پر سواری بھی بحیرہ کی طرح حرام تصوّر کرتے۔

۳۔ وصیلۃ۔ ان کی بکری اگر بچی جنتی تو اُسے اپنے لیے رکھ لیتے اور بچہ جنتی تو وُہ ان کے بتوں کا ہوتا۔ اور اگر ایک شکم سے بچی بچہ دونوں جنتی تو پھر بھی بچی کو بچہ کے ساتھ ملا کر بتوں کی نذر کر دیتے۔ یہ بچی جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بتوں کی نذر ہوتی اس کو وصیلۃ کہتے۔ وَصَلَتِ الْاُنْثٰى اَخَاهَا۔

۴۔ حام۔ وُہ اُونٹ جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہوتے اس کی سواری وغیرہ بھی اپنے اُوپر حرام کر دیتے اور اُسے حام کہا جاتا۔ (بیضاوی) یہ سارے جانور وُہ اپنے بتوں کے لیے نذر کرتے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا اپنے اُوپر حرام کر دیتے۔

۱۸۱؎ یہ رسُومِ بد تو ان کی من گھڑت ہیں لیکن نسبت ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس نے تو ان جانوروں کو پیدا ہی اس لیے فرمایا ہے کہ انسان انھیں کھائے۔ اُن کا دُودھ پئے۔ اُن پر سواری کرے اور اُن پر اپنا سامان وغیرہ لادے۔

۱۸۲؎ اگر ان لوگوں کو ان بیہُودہ رسموں سے باز آنے اور قرآن و سُنّت کی اطاعت کے لیے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمیں تمھاری رہنمائی کی ضرورت نہیں ہم تو صرف اسی راہ پر گامزن رہیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلا کرتے تھے۔

۱۸۳؎ اگرچہ ان کے باپ دادا جاہل اور گمراہ ہی کیوں نہ ہوں یہ ان کی ہی تقلید کریں گے۔ معلوم ہوا کہ ایسے باپ دادا کی پیروی سے روکا جا رہا ہے جو جاہل اور گمراہ ہوں۔ اِس آیت سے ائمہ مجتہدین اور اولیاء کاملین کی تقلید کی ممانعت نہیں۔ اور اس کی کھلی وجہ یہ ہے کہ ان کی تقلید عین اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت ہے کیونکہ ان کی زندگیاں اسی اطاعت کاملہ کی زندہ تصویر ہوا کرتی ہیں۔

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (کیا پھر بھی وُہ انھیں کی پیروی کریں گے) اے ایمان والو! تم پر ۱۸۴؎ اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے۔ نہیں نقصان پہنچا سکے گا

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

تمھیں جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تم سب نے پھر وُہ آگاہ کرے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ

تمھیں جو تم (اس دُنیا میں) کیا کرتے تھے اے ایمان والو! آپس میں تمھاری گواہی ۱۸۵؎ جب آ جائے

۱۸۴؎ کفّار کا عناد اور کفر پر ان کا اصرار دیکھ کر صحابہ کرام بہت رنجیدہ خاطر رہا کرتے تھے۔ ان کی تسلّی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ تم اپنی اصلاح اور سلامت روی کے ذمہ دار ہو۔ اگر تم راہِ راست پر ثابت قدم رہے تو کسی کی گمراہی تمھیں ضرر نہیں پہنچائے گی۔ ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا بھگتے گا لیکن اِس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جب ہم خود نیکوکار اور صالح ہیں تو کسی کو نیکی کا حکم کرنا اور بُرائی سے روکنا ہم پر لازم نہیں۔ یہ خیال سراسر غلط ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس غلط فہمی کا پہلے ہی ازالہ فرما دیا تھا۔ آپ ایک روز خطبہ کے لیے کھڑے ہُوئے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا: تم یہ آیت عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ الخ پڑھتے ہو اور اِس کا غلط مفہوم ذہن میں رکھتے ہو۔ میں نے حضور کریمؐ کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا: اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْكَرَ وَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَّعُمَّهُمْ بِعِقَابِهٖ (سُنن اربعہ): لوگ جس وقت بُرائی کو دیکھیں اور پھر اس کو درست نہ کریں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔

۱۸۵؎ اِن تین آیتوں کو اعراب معنی اور حکم کے اعتبار سے مشکل ترین آیات شمار کیا گیا ہے۔ ان کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مُسلمان سفر میں ہو اور اس کی موت کا وقت قریب آجائے تو دو معتبر مسلمانوں کو بُلا کر اپنے مال کی وصیّت کرے اور اگر اس وقت مُسلمان نہ مل سکیں تو دو غیر مُسلموں کو بُلا کر ہی اِس کی وصیّت کر دے۔ اور جب وُہ وصی اس کے گھر پہنچیں اور وارثوں کو شک پڑ جائے کہ اُنھوں نے صحیح حالات نہیں بتائے تو نمازِ عصر کے بعد جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تو ان وصیوں کو بُلا کر قسم لی جائے کہ اُنھوں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی اور وصیّت کو صحیح طور پر بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ وارث اس صُورت میں مدعی تھے لیکن ان کے پاس اِن وصیوں کے خلاف گواہ موجُود نہ تھے۔ اِس لیے وصی جو منکر تھے ان سے قسم لی گئی لیکن اگر بعد میں ان کی خیانت پکڑی جائے اور ان کا جھُوٹ ظاہر ہو جائے تو پھر وارثوں میں سے دو آدمی قسم اُٹھائیں کہ پہلے وصیوں کا بیان غلط تھا اور جو ہم کہہ رہے ہیں وُہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر ان وارثوں کی قسم کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ وُہ خاص واقعہ جس کے بارے میں یہ احکام نازل ہُوئے اس کے ذکر سے مزید وضاحت ہو جائے گی اس لیے

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ

کسی کو تم سے موت وصیت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور ۱۸۶ے

مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ

غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمھیں موت کی مصیبت

الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ

روکو ان دو گواہوں کو ۱۸۷ے نماز پڑھنے کے بعد تو وہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمھیں

اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بدیل نامی ایک مسلمان دو عیسائیوں تمیم الداری اور عدی کے ہمراہ ملک شام میں تجارت کی غرض سے گئے۔ جب بدیل شام پہنچے تو اچانک بیمار ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنے سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع نہ دی جب ان کی حالت نازک ہو گئی تو انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بلا کر وصیت کی کہ میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا۔ چنانچہ ان کا انتقال ہو گیا۔ تمیم اور عدی نے ان کا سامان سنبھالا۔ اس میں ایک چاندی کا پیالہ تھا جس پر سنہری نقش و نگار تھے۔ وُہ ان کو پسند آیا اور اسے نکال لیا۔ مدینہ واپس پہنچ کر بدیل کا سامان ان کے گھر پہنچا دیا۔ گھر والوں کو سامان کی وُہ فہرست مل گئی۔ جب سامان کو اس فہرست کے مطابق کیا گیا تو پیالہ مفقود تھا۔ ان سے دریافت کیا انھوں نے بے خبری کا اظہار کیا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی۔ حضورؐ نے عصر کی نماز کے بعد ان دونوں کو بلایا اور ان سے قسم لی۔ وہاں بھی انھوں نے قسم اُٹھالی۔ کچھ عرصہ بعد وُہ پیالہ مکّہ کے ایک سُنار کے پاس پایا گیا۔ اس نے بتایا کہ میں نے تو یہ پیالہ تمیم اور عدی سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔ چنانچہ پھر مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا۔ اس آیت کے مطابق اِس دفعہ بدیل کے وارثوں سے قسم لی گئی کہ یہ پیالہ بدیل کا ہے اُس نے فروخت نہیں کیا بلکہ عدی اور تمیم نے خیانت کی ہے۔ چنانچہ ان دونوں کے خلاف فیصلہ صادر ہوا۔ اور ان سے ہزار درہم لے کر بدیل کے وارثوں کو دیا گیا۔

۱۸۶ے اس سے بعض فقہاء نے بوقتِ ضرورت غیر مسلم کی شہادت مسلمان کے لیے جائز رکھی ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک ذمی ذمی کے لیے شہادت دے سکتا ہے لیکن مسلمان کے لیے نہیں دے سکتا۔ آیت سے یہ مفہوم واضح طور پر مستفاد نہیں ہوتا۔

۱۸۷ے ویسے تو ہر نماز کے بعد جائز ہے لیکن ظہر اور عصر کی نماز کے بعد بہتر ہے۔ کیونکہ اس وقت لوگوں کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے۔

ارتبتم لا نشتري به ثمنا ولو كان ذا قربى ولا نكتم شهادة

شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) ۱۸۸؎ کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ

الله انا اذا لمن الاثمين ﴿۱۰۶﴾ فان عثر على انهما استحقا اثما

کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے۔" پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے

فاخران يقومن مقامهما من الذين استحق عليهم الاوليان

تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے پہلے گواہوں نے اور (یہ نئے

فيقسمن بالله لشهادتنا احق من شهادتهما وما اعتدينا

دو گواہ) قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا

انا اذا لمن الظلمين ﴿۱۰۷﴾ ذلك ادنى ان ياتوا بالشهادة على

(اگر ہم ایسا کریں تو) بے شک اس وقت ہم ظالموں میں شمار ہوں گے۔ یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی ۱۸۹؎ جیسا کہ

وجهها او يخافوا ان ترد ايمان بعد ايمانهم واتقوا الله

چاہیئے یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میّت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو

واسمعوا والله لا يهدي القوم الفسقين ﴿۱۰۸﴾ يوم يجمع الله ع ۱۴

اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ

۱۸۸؎ شہادت لینے کی ضرورت تب ہوگی جب وارثوں کو شک ہو۔ ورنہ نہ مقدمہ ہوگا نہ شہادت و قسم کی ضرورت ہوگی۔

۱۸۹؎ یوں نماز کے بعد مجمع عام میں جب قسم لینے کا قانون ہوگا تو وصی بھی جھوٹ بولنے سے اجتناب کریں گے اور وارث بھی اللہ کے گھر میں اللہ کی مخلوق کے سامنے ناجائز مطالبہ نہیں کریں گے۔ دونوں کو علم ہوگا کہ ہمیں قسم اٹھانا ہے۔

الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ

تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمھیں؟ ۱۹۰ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں۔ بے شک تو ہی خوب

الْغُيُوبِ ﴿١٠٩﴾ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَ

جاننے والا ہے سب غیبوں کا۔ جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم ! ۱۹۱ یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور

عَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ قف تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي وقف لازم

اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمھاری روح القدس سے ۱۹۲ باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ

الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ

تو ابھی) پنگھوڑے میں تھا اور جب پکی عمر کو پہنچا۔ اور جب سکھائی میں نے تمھیں کتاب اور حکمت اور تورات

۱۹۰ بظاہر یہ شبہ گزرتا ہے کہ انبیاء نے جب دینِ حق کی دعوت دی تو بعض لوگوں نے اُسے قبول کیا بعض نے اُسے ردّ کر دیا اور اس کی مخالفت پر کمر باندھی۔ اِن تمام واقعات کا انبیاء نے بچشمِ خود مشاہدہ کیا تھا۔ پھر ان کے اِس جواب کا کیا مطلب کہ انھیں تو کچھ خبر نہیں کہ اُن کی اُمتوں نے اُنھیں کیا جواب دیا۔ اِمام المفسّرین ابنِ جریرؒ نے اسی توجیہ کو صحیح اور بہترین فرمایا ہے جو حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ انبیاء نے اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور کامل کے سامنے اپنے علم کو ہیچ سمجھتے ہوئے ازراہِ ادب وتعظیم اپنے علم کی سرے سے نفی کر دی۔ وَاَوْلَى الْاَقْوَالِ بِالصَّوَابِ قَوْلُ مَنْ قَالَ مَعْنَاهُ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا عِلْمٌ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنَّا لَا اَنَّهُمْ نَفَوْا اَنْ يَكُوْنُوْا عَلِمُوْا مَا شَاهَدُوْا كَيْفَ يَجُوْزُ ذَالِكَ وَهُوَ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ يُخْبِرُ اَنَّهُمْ سَيَشْهَدُوْنَ عَلٰى تَبْلِيْغِهِمُ الرِّسَالَةَ۔ (ابنِ جریر صفحہ ۸۲ جلد ۷)

۱۹۱ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ ان کی امتوں نے انھیں کیا جواب دیا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا خاص ذکر کر کے ان کی اُمّت کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اس دن کے طلوع ہونے سے پہلے تم اپنی اِصلاح کر لو اور اِس گستاخی سے تائب ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے لیے جورُو اور بیٹا مان کر تم نے کی۔

۱۹۲ اللہ تعالیٰ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر اپنے خاص اِحسانات اور اِنعامات کا ذِکر فرما رہے ہیں۔ خطاب ابنِ مریم کے لفظ سے کیا تاکہ عیسائیوں کے اس عقیدہ کی جڑ کٹے جو آپ کو ابن اللہ مانتے ہیں۔ اِن کی والدہ پر تو احسان یہ ہے کہ بچپن میں ہی حضرت زکریا علیہ السّلام کی نگرانی اور تربیت کی نعمت سے سرفراز ہوئیں

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ

اور انجیل اور جب تو بناتا تھا ۱۹۳ کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میرے اذن سے پھر پھونک مارتا تھا

فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ

اس میں تو وہ (مٹی کا بے جان پتلہ) بن جاتا تھا پرندہ میرے اذن سے اور (جب) تو تندرست کردیا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ

میرے اذن سے اور جب تو (زندہ کرکے) نکالا کرتا تھا مردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے روک دیا تھا ۱۹۴ بنی اسرائیل کو تجھ سے جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنھوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب (معجزات) نہیں ہیں مگر

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ

کھلا ہوا جادو ۱۹۵ اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا ۱۹۶ کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور

عبادت کے لیے وقف ہوگئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انھیں عیسیٰ جیسا فرزند عطا فرمایا۔ ان کے علاوہ اور بےشمار عنایات سے حضرت مریم کو ممتاز کیا گیا۔

۱۹۳ یہاں سے اُن احسانات اور انعامات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فرمائے گئے۔ ان تمام کے متعلق حواشی سورہ آلِ عمران میں گزر چکے ہیں (ملاحظہ ہو آیت ۴۹ آلِ عمران)

۱۹۴ بارہا یہودیوں نے کوشش کی کہ حضرت مسیح کو قتل کر ڈالیں لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ آخری مرتبہ جب اُنھوں نے رُومی حاکم سے آپ کو سُولی دے دینے کے احکام بھی لے لیے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا اور اپنی طرف آسمان پر اُٹھا لیا جس کی تفصیلات سورہ النساء میں گزر چکی ہیں۔ (ملاحظہ ہوں آیات نمبر ۱۵۷ تا ۱۵۹۔ النساء)

۱۹۵ یہودی آپ کے روشن معجزات دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے اُلٹا آپ کو جادوگر اور شعبدہ باز کہنے لگے۔

۱۹۶ وحی کے مختلف معانی کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ اگر یہ حواری انبیاء تھے جیسے بعض علماء کا خیال ہے تو وحی سے مراد وُہ وحی ہوگی جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے اور اگر یہ نبی نہ ہوں تو وحی سے مُراد الہام اور القاء ہوگا۔ حواریون

بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ

میرے رسول کے ساتھ انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں ۱۹۷ جب کہا تھا

الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ

حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کر سکتا ہے ۱۹۸ تیرا رب کہ اتارے

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہم پر ایک خوان آسمان سے (ان کی اس تجویز پر) عیسیٰ نے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو ۱۹۹

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ

حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے

جمع حواری کی۔ اس کا لغوی معنی سفید و براق رنگ والا ہے۔ ظاہر اور باطن میں جو مخلص دوست ہو اس کو بھی حواری کہتے ہیں خصوصاً انبیاء کے ممتاز اور جانثار دوستوں اور اطاعت گزاروں کو حواری کہا جاتا ہے۔ اَلْحَوَارِيُّ مَعْنَاهُ فِي اللُّغَةِ اَلْاَبْيَضُ النَّقِيُّ اللَّوْنِ وَيُقَالُ مَنْ اَخْلَصَ سِرًّا وَجَهْرًا فِي مَوَدَّتِكَ قَالَ الزَّجَّاجُ اَلْحَوَارِيُّوْنَ خُلْصَانُ الْاَنْبِيَاءِ وَصَفْوَتُهُمْ۔

۱۹۷ اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین جس کی وہ دعوت دیا کرتے تھے وہ اسلام ہی تھا۔ یہ کوئی نیا دین نہیں ہے جو پہلے دینوں سے الگ ہو بلکہ انھیں کی ایک کامل، توانا اور حسین صورت ہے۔

۱۹۸ کیونکہ وہ مسلمان تھے اس لیے انھیں اس میں تو شک نہ تھا کہ مائدہ نازل کرنے کی اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ بلکہ وہ دریافت یہ کر رہے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور ارادہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ ہم پر مائدہ اتارے۔ یعنی کوئی حکمت مائدہ کے نزول میں مانع تو نہیں۔ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ يَسْتَطِيْعُ بمعنی يُطِيْعُ ہے۔ یعنی اگر آپ مائدہ کے نزول کی دعا کریں تو کیا اللہ تعالیٰ آپ کی یہ دعا قبول فرمائے گا۔

۱۹۹ عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے بنی اسرائیل کے چشم و چراغ تھے۔ نئی نئی تجویزیں پیش کرنا اور انھیں منوانا ان کا آبائی شعار تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو فرماتے ہیں کہ چھوڑو ان حجت بازیوں کو اور اپنے آپ کو امتحان میں نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے بڑوں کی طرح تم بھی شکرِ نعمت سے قاصر رہو اور اس سزا کے مستحق ٹھیرو جو ناشکروں کے لیے مقرر ہے۔

صَدَقۡتَنَا وَنَكُوۡنَ عَلَيۡهَا مِنَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ

ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر ۲۰۰ گواہی دینے والوں سے عرض کی عیسیٰ بن مریم نے

اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا

اے اللہ ہم سب کے پالنے والے اُتار ہم پر خوان ۲۰۱ آسمان سے بن جائے ہم سب کے لیے خوشی کا دن

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنۡكَ‌ۚ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾

(یعنی) ہمارے اگلوں کے لیے بھی اور پچھلوں کے لیے بھی اور (ہو جائے) ایک نشانی تیری طرف سے ۲۰۲ اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

۲۰۰ اپنے اس مطالبہ کی تائید میں جو وجوہات اُنھوں نے بیان کیں ان کا ذکر اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے وُہ وجوہات یہ ہیں۔ (۱) تاکہ ہم اس سے اپنی بھوک کا علاج کریں۔ (۲) اس معجزہ کے مشاہدہ کے بعد ہمارے دِلوں کو اطمینان نصیب ہوگا (۳) نیز ہمیں آپ کی صداقت کی بھی قوی دلیل مل جائے گی (۴) جب ہم ایسا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو ہم اور لوگوں کو بھی بتائیں گے شاید ان سے بھی کوئی ہدایت قبول کرے۔

۲۰۱ اَللّٰھُمَّ اصل میں یَا اَللّٰہ ہے۔ حرفِ ندا کی جگہ دو میم آخر میں بڑھا دیئے۔ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے ایک اسم ذاتی اور دُوسرا اسم صفاتی ذِکر کیا۔ کیونکہ لفظ اللہ تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ رحمت، بخشش، مغفرت سب اس کے ضمن میں آگئے۔ اور رَبَّنَا سے صفتِ ربُوبیّت کو مؤکّد کیا گیا کیونکہ جس چیز کے متعلّق سوال کیا جا رہا ہے اُس کا اِس صفت سے خصوصی تعلّق ہے۔ مَآئِدَة اس دستر خوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چنا ہوُا ہو۔ اَلْمَآئِدَةُ اَلْخِوَانُ الَّذِیْ عَلَیْہِ الطَّعَامُ (قرطبی) عید مطلق خوشی اور سرُور کے دِن کو کہتے ہیں۔ لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا سے مُراد یہ ہے کہ جو اس مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے ایمان لا چکے اور جو بعد میں ایمان لائیں گے یہ سب کے لیے فرحت و شادمانی کا دن ہوگا۔ حضرت صدر الافاضل مُراد آبادی قدس سرہٗ نے یہاں خوب لکھا ہے فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوُا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس روز کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا، شکرِ الٰہی بجا لانا طریقۂ صالحین ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اِس لیے حضورؐ کی ولادتِ مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکرِ الٰہی بجا لانا اور اظہارِ فرح و سرُور کرنا مستحسن و محمُود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ (خزائن العرفان)

۲۰۲ تیری قدرت کی اور میری نبوّت کی۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْ اُعَذِّبُهٗ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر ۲۰۳ پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے تو بے شک میں عذاب

عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ ع ۱۵ ۷ ۵

دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہل جہان سے اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن

مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ

مریم ! ۲۰۴ کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے ۲۰۵ کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو ۲۰۶ دو خدا اللہ کے

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سوا ۔ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے ۲۰۷ کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق اگر میں نے

۲۰۳ بعض جلیل القدر تابعین، مجاہد اور حسن کی رائے تو یہ ہے کہ جب انھوں نے ناشکری پر سخت ترین عذاب کی دھمکی سنی تو اپنا مطالبہ واپس لے لیا لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ مائدہ بالفعل نازل ہوا ۔ اس میں کون کون سے کھانے تھے ؟ اس کی تفصیل کا نہ یقینی علم ہے اور نہ اس کے جاننے کی ضرورت ۔ وَالْمَقْطُوْعُ بِهٖ اَنَّهَا نَزَلَتْ وَكَانَ عَلَیْهَا الطَّعَامُ یُؤْكَلُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِتَعْیِیْنِهٖ ۔ (قرطبی)

۲۰۴ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سوال جواب قیامت کے دن ہوگا ۔ اس سے پہلی آیت یوم یجمع الخ اور بعد کی آیت یوم ینفع الخ اس کی مؤید ہیں ۔

۲۰۵ سوال ہمیشہ اسی لیے نہیں کیا جاتا کہ سائل کو اس چیز کا علم نہیں اور وہ اس سوال سے غیر معلوم چیز کو جاننا چاہتا ہے بلکہ سوال دوسرے فوائد کے لیے بھی ہو سکتا ہے ۔ یہاں اس استفسار سے مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی زبان سے ان کروڑوں آدمیوں کو اپنی فحش غلطی پر آگاہ کیا جائے جس میں وہ مبتلا ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا شریک خدا یا فرزند خدا بنائے ہوئے ہیں ۔

۲۰۶ مسیحی دنیا میں حضرت مریم ؑ کی پرستش کوئی پوشیدہ امر نہیں ۔ وہ ان کے قد آدم مجسمے بنا کر اپنے گرجاؤں کی محرابوں میں رکھتے ہیں اور تمام رسوم پرستش بجا لاتے ہیں ۔

۲۰۷ حضرت مسیح ؑ کا جواب قابل غور ہے الزام آپ پر لگ رہا ہے کہ کیا آپ نے ایسا کہا ۔ اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ اپنی صفائی میں لب کشائی نہیں کرتا بلکہ اپنے رب کی عظمت و پاکی کا اعلان کرتا ہے اور اپنی صفائی اپنے سب کچھ جاننے والے

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ

کہی ہوتی ایسی بات تو تو ضرور جانتا اس کو۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ

بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا نہیں کہا میں نے انھیں ۲۰۸ مگر وہی کچھ جس کا تو نے حکم دیا مجھے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ

عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر ۲۰۹ گواہ جب تک میں رہا ان میں

خدا کے سپرد کر دیتا ہے یعنی اے میرے رب! تجھ سے کوئی بات مخفی نہیں۔ زمین و آسمان کے سب چھپے ہوئے اسرار تجھے معلوم ہیں میں کیا اپنی صفائی پیش کروں۔ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ ہرگز نہیں کہے۔ اور تیرا یہ بندہ جس پر ہر لحظہ تیرے کرم کی بارش ہو رہی ہے کیا اتنا ناشکر گزار بن سکتا ہے اور یہ جرأت کر سکتا ہے کہ ایسی بات کا مدّعی بنے جس کا اسے کوئی حق نہیں سبحان اللہ! کیا شان ہے بارگاہِ خداوندی میں ادب و تعظیم کی۔

۲۰۸ یعنی میں نے تو انھیں وہی کچھ کہا جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم فرمایا۔ میں نے تو انھیں صاف صاف اور بار بار کہا تھا کہ تم صرف اس ربّ العزّت کی عبادت کرنا جو میرا بھی مالک اور پروردگار ہے اور تمھارا بھی۔

۲۰۹ جب تک میں ان میں رہا اس وقت تک میں ان کی نگہبانی کرتا رہا اور جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ یہاں بعض لوگوں نے تَوَفَّیْتَنِیْ کے لفظ سے حضرت عیسیٰؑ کی موت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ توفی کا حقیقی معنی مارنا نہیں بلکہ کسی چیز کو پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لینا ہے۔ اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا: کسی چیز کو کامل طور پر اپنے قبضہ میں لے لینا۔ (بیضاوی) وَتَوَفَّاهُ اَیْ لَمْ یَدَعْ مِنْهُ شَیْئًا (تاج العروس) اور یہ لفظ موت کے معنی میں بطریق مجاز استعمال ہوتا ہے وَمِنَ الْمَجَازِ اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ اَیِ الْمَوْتُ (تاج العروس) چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ وفات قرآن میں تین طرح استعمال ہوا ہے۔ ۱۔ وفاتِ موت۔ ۲۔ وفاتِ نوم ۳۔ وفاتِ رفع پہلی وجہ کی مثال اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا یعنی اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفسوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ دوسری وجہ کی مثال وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو رات کو نیند کے وقت تمھارے نفسوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے۔ تیسری وجہ کی مثال یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ۔ اے عیسیٰؑ میں تمھیں زمین سے اٹھا کر اپنے قبضہ اور حفاظت میں لے لوں گا۔ قَالَ الْحَسَنُ اَلْوَفَاةُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ وَفَاةُ الْمَوْتِ وَوَفَاةُ النَّوْمِ وَوَفَاةُ الرَّفْعِ وَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی اَللّٰهُ یَتَوَفَّی

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ

پھر جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تُو ہر چیز کا مشاہدہ

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١١٧﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ

کرنے والا ہے اگر تُو عذاب دے انھیں تو وُہ نالے بندے ہیں تیرے اور اگر تو بخش دے ان کو

فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ

تو بلاشبہ تُو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وُہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو

صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اُن کا سچ ان کے لیے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وُہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں

الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (قرطبی)

اَب جب یہ لفظ ان متعدّد معانی میں مستعمل ہوتا ہے تو اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ کسی موقع پر ان متعدّد معانی سے کونسا معنی مُراد ہے دُوسرے قرائن کو دیکھنا ہو گا۔ اور اگر حدیث صحیح سے کوئی معنی متعیّن ہو جائے تو پھر دوسرے معانی کا احتمال ختم ہو جائے گا اور صرف وُہی معنی لیا جائے گا جو حضورؐ نے مقرر فرما دیا ہے۔ کیونکہ کتاب کے بیان کا حق اللہ تعالےٰ نے اپنے رسُولؐ کو تفویض فرمایا ہے اس کے بعد کسی قیل و قال کی گنجائش نہیں رہتی۔ جب احادیثِ نبویہ میں یہ صراحت موجُود ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا گیا تو اب آیاتِ قرآنی کو اپنے اغراض و اہواء کا لباس پہنانا سراسر بے دینی اور بے باکی ہے۔

نالے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ نے یہ آیت پڑھی۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اے میرے رب! جس نے میری فرمانبرداری کی وُہ میرے گروہ سے ہو گا اور جس نے نافرمانی کی تو تُو ہی عزّت و حکمت والا ہے) اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ پھر حضورؐ زار و قطار رو پڑے اور عرض کی اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ۔ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ میرے محبُوبؐ کے پاس جاؤ اور اس سے رونے کی وجہ پُوچھو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ جبریلؑ حاضر ہوئے دریافت کیا تو رحمتِ عالمؐ نے اپنی اُمّت کی بخشش کے متعلق اندیشہ ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر جبریلؑ کو یہ پیغام دے کر اپنے محبُوبؐ کے پاس بھیجا فَقَالَ اللّٰهُ يَا

اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰہِ

رہیں گے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے۔ یہی ہے بڑی کامیابی ۲۱۱؎ اللہ ہی کے لیے ہے

مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا فِیۡہِنَّ ؕ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر ۲۱۲؎ پوری قدرت رکھنے والا ہے

ع ١٦ ٥

جِبۡرِیۡلُ اِذۡہَبۡ اِلٰی مُحَمَّدٍ فَقُلۡ اِنَّا سَنُرۡضِیۡکَ فِیۡ اُمَّتِکَ وَلَا نَسُوۡءُکَ (صحیح مسلم) کہ اے مصطفیٰ آپ رنجیدہ نہ ہوں) یقیناً ہم آپ کی اُمّت سے ایسا رحمت کا سلوک کریں گے جس سے آپ خوش ہو جائیں گے اور ان سے ایسا معاملہ نہ ہو گا جو آپ کو ناگوار گزرے۔ الحمد للہ جس نے ہم سیاہ کاروں کو ایسے کریم اور بیکس پرور نبی کی اُمّت ہونے کا شرف بخشا۔ صد شُکر کہ ہستیم میانِ دو کریم۔

۲۱۱؎ ابنِ حیان فرماتے ہیں کہ اللہ کی رضا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے کیونکہ اس نعمتِ عظمیٰ کے سامنے جنّت اور نعیمِ جنّت کی کیا وقعت ہے لِاَنَّ الۡجَنَّۃَ بِمَا فِیۡہَا کَالۡعَدَمِ بِالنِّسۡبَۃِ اِلٰی رِضۡوَانِ اللّٰہِ۔ (بحر)

۲۱۲؎ یہ آخری آیت گویا اس سُورۂ کریمہ کے سر پر زرّیں تاج ہے۔ سب شبہات کا ازالہ، سب گمراہیوں کا رد اور سب حقائق کا حاصل اور نچوڑ اس میں بیان فرما دیا۔ فرمایا زمین اور آسمان اور ان میں خاکی، ناری اور نوری، بے جان اور جاندار، بے شعور اور باشعور جو کچھ بھی ہے سب اللہ وحدہٗ لاشریک کی ملکیّت ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں کوئی خُدائی میں شریک نہیں۔ کوئی اس کا بیٹا نہیں۔ سب اس کے بندے اور اس کے حکم کے پابند ہیں۔ ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ اگر کسی کو کوئی چیز نہ دے یا دے کر چھین لے تو کوئی دم نہیں مار سکتا۔ اور اپنے محبوبوں کو خصوصاً اپنے محبوب ترین بندے سیّد المرسلین ﷺ کو جو دینا چاہے وہ دے دیتا ہے کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔